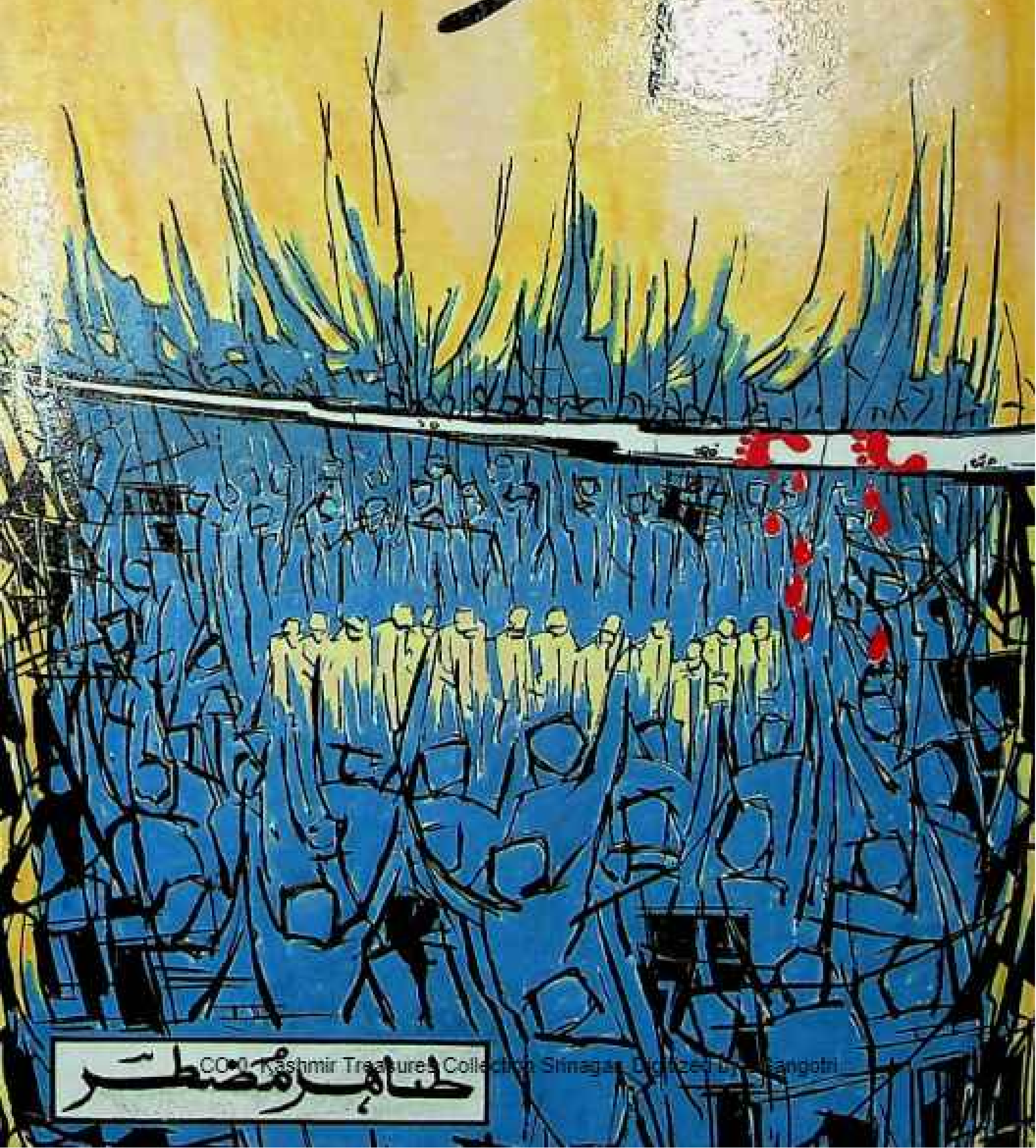
نیلام گھر

دوسرا ایڈیشن



نیلام گھر

دوسرا ایڈیشن



طاہر مظفر

نیلام گھر

Neelaam Ghar

(First Collection of Poems)

By
Syed Tahir Muzter
"Syed Lodge" 161, Rewalpora Housing colony
Srinagar 190005- Kashmir
E-mail: tahirmuzter@hotmail.com

نام کتاب : نیلام گھر
مصنف :۔ طاہر مُضطرؔ
ترتیب :۔ ڈاکٹر فرید پربتی
سرورق :۔ مسعود تابش
خوشنویس :۔ ظفر احمد
کمپیوٹر کمپوزنگ :۔ الفا ایسوسی ایٹس
پہلا ایڈیشن :۔ فروری ۲۰۰۰ء
دوسرا ایڈیشن :۔ جولائی ۲۰۰۵ء
ناشر :۔ میڈیا کشمیر
پوسٹ بکس نمبر 10 جی پی او سرینگر 190001
پوسٹ بکس نمبر 1 گاندھی نگر جموں 180001
مطبوعہ :۔ پرنٹ پلس، دہلی
تعداد :۔ ۱۱۰۰
قیمت :۔ ۱۵۰/روپے

تقسیم کار :۔
الفا ایسوسی ایٹس
متو کمپلیکس (دوسری منزل) ریڈ کراس روڈ، بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر ۔ ۱۹۰۰۰۱
(Mobile : 9419001375,9419008250)

نیلام گھر

دوسرا ایڈیشن

طاہر مضطر کی نظموں کا پہلا مجموعہ "نیلام گھر" پانچ سال قبل منظر عام پر آیا۔ اپریل ۲۰۰۰ء میں جموں پریس کلب میں سرکردہ صحافیوں، ادیبوں اور دانشوروں کی ایک پُر وقار تقریب میں اس کی رسم رونمائی انجام دی گئی جس کا اہتمام جموں و کشمیر اردو فورم اور رسا جاودانی میموریل لٹریری سوسائٹی نے مشترکہ طور پر کیا تھا۔ اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ ریاست کے مشہور و معروف صحافی طاہر مضطر جو تیس سال اردو صحافت سے جُڑے رہے اور پھر ۱۹۸۰ کے بعد ۱۹۹۰ تک وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے دو دورِ حکومت میں انکے پولیٹیکل سیکرٹری کے منصب پر فائز رہے۔ اچانک ایک شاعر کی حیثیت میں پہلی بار سامنے آئے۔ اور شاعر بھی ایسے کہ پہلے مجموعہ کی "پہلی بات" میں ممکنہ تنقیدی خدشہ سے بے پروا "نیلام گھر" میں اختیار کیے گئے، اپنے ڈکشن اور ادائیگی کو اچھے اور راست اظہار کا دل نشین وسیلہ بتاتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے اُن کے لفظوں اور جملوں سے ان کا اعتماد جھلکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> "مجھے اپنے ہم زبان شاعروں کی ہمسری کرنے کا شوق نہیں۔ کیونکہ اپنے مشاہدات، محسوسات اور تجربات و تصورات کا راست اظہار میری اپنی تشنگی ہے اور تمنا بھی۔ اور اس قسم کے اظہار کیلئے میں نے جو ڈکشن اختیار کیا ہے۔ اس نوع کا ہے کہ میں اپنے نثری پاروں کو شاعرانہ لب و لہجہ اور آہنگ کے بس اتنا نزدیک لانا چاہتا ہوں کہ نہ صرف نثر کی دماغ سوز طوالت اور بوریت مٹ جائے، بلکہ یہ شاعری کے تلبیس اور ابہام سے بھی دور رہیں۔ اس عمل میں جو تخلیق اُبھرتی ہے میری رائے میں وہی اچھے اور راست اظہار کا دلنشین وسیلہ بن سکتی ہے"

یہ طاہر مضطر کے تجربے کی کامیابی ہے کہ نیلام گھر کی رسم رونمائی کی اس تقریب میں تقریباً سبھی مقررین نے اس کی شاعری کو Unique genere of poetry in prose

نام دیا۔ پروفیسر ظہور الدین سابق صدر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی نے اس تقریب میں
''**نیلام گھر ایک تاثر**'' کے عنوان سے اپنے تفصیلی مقالہ میں طاہر مضطر کی شاعری کے
بارے میں کہا۔ کہ وہ اندھی تقلید کا قائل نہیں، اور نہ لکیر کا فقیر۔ وہ شعر کو احساس کی لطیف بازیافت
سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ اسی لئے وہ اپنے احساسات و مدرکات کی ترسیل کے لئے ایسا نثری
پیراہن تراشتا ہے۔ جسے نثر لطیف بھی کہہ سکتے ہیں اور شعر یا نظم بھی۔ اُس کے یہاں الفاظ کا
رچاؤ خوب ہے۔ ہر خیال پوری تابانی کے ساتھ اظہار کی منزل تک پہنچتا چلا جاتا ہے۔''

یہ رسم رونمائی کی تقریب کا مختصر ذکر تھا۔ پھر نیلام گھر کے بارے میں اردو دنیا کے مستند
اُستاد اور شاعر پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی آواز آتی ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کے ترجمان۔
''**ھماری زبان**'' میں نیلام گھر پر اپنے تبصرہ میں وہ طاہر مضطر کو اردو دنیا کی مبارکبادی کا مستحق
بتاتے ہیں کہ انہوں نے نظم آزاد، نثری نظم، نظم معرّا اور پابند شاعری چاروں اصناف سخن کو ہم آہنگ
کر کے ایک نئی صنف سخن کی طرح ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس نئی صنف کا ہمیں اس وقت نام
معلوم نہیں، لیکن اس ایجاد کا کریڈٹ طاہر مضطر کو جاتا ہے۔ جس طرح آزاد غزل کا کریڈٹ مظہر
امام کو جاتا ہے۔ اس ایجاد کو ہمیں پھلنے پھولنے کا موقعہ دینا چاہئے۔ وہ اگرچہ اس نئی صنف کی
قبولیت یا عدم قبولیت نئی نسل پر چھوڑتے ہیں۔ لیکن اپنے تبصرہ میں انہوں نے نیلام گھر میں شامل
نظموں کے نفس مضمون کے اظہار کی کامیابی کا اعتراف کیا ہے۔

۲۰۰۰ء میں نیلام گھر کے اجراء کے بعد اب تک کے پانچ برسوں کے دوران اس کی جو
پذیرائی ہوئی وہ اس مجموعہ میں شامل غیر روایتی نظموں کی پسندیدگی کا ثبوت ہے۔ اسے ہم طاہر مضطر
کی نئی صنفِ شاعری کی کامیابی کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ پسندیدگی اور قبولیت کا ہی ایک ثبوت ہے۔
کہ ریاست اور بیرون ریاست کے بہت سے جرائد اور اخبارات میں ابھی تک تبصرے اور مضامین
شائع ہو رہے ہیں۔ مصنف کو بعض اہل قلم حضرات کے تاثرات تحریری صورت میں موصول ہو رہے
ہیں۔ دوردرشن جموں نے کئی نظموں کو فلمایا۔ "Asian Eurasia Commentary" جرنل
میں نیلام گھر کی نظموں کا انگریزی ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ ترجمہ کچھ اور انگریزی رسالوں میں
بھی Reproduce کئے گئے ہیں۔ یہ انگریزی ترجمے پڑھ کر اردو رسم الخط سے ناواقف کچھ

قلمکار اور دانشور ''نیلام گھر'' کے ہندی ترجمہ کی تجویز رکھتے ہیں۔ جس پر ''میڈیا کشمیر'' نے کام شروع کیا ہے۔ "Literature in Exile" کے موضوع پر جموں میں منعقدہ ایک سیمنار میں نیلام گھر کو کشمیر کے المناک حالات کو صحیح تناظر میں پیش کرنے کیلئے بے حد سراہا گیا۔ اس پورے پس منظر میں کتاب کی مانگ اس قدر بڑھ گئی ہے۔ کہ ''میڈیا کشمیر'' کو اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کا حوصلہ ملا۔

یہاں یہ گنجائش نہیں کہ نیلام گھر کی اب تک کی پذیرائی کی تفصیل بیان کی جاسکے۔ جس سے دوسرے ایڈیشن کی ضخامت بڑھ سکتی ہے۔ اسی لئے اس کتاب کے ابتدائی اگلے صفحات پر ''نیلام گھر'' پر چھپے اخباری تبصروں اور اہل قلم حضرات کے تاثرات کی طویل فہرست میں سے چند تبصرے اور تاثرات انتہائی مختصر الفاظ میں نذر قارئین کیے گئے۔ ''**میڈیا کشمیر**'' اس تفصیل کو علیحدہ طور پر یا مصنف کی دوسری زیر ترتیب کتاب کے ایک حصہ کے طور پر شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ایسا کرنے سے طاہر مضطر کے اختراعی ڈکشن کے مخصوص شعری عمل میں اُبھرنے والی تخلیقات کے زوردار اثر، گرفت، وسیع رسوخ اور دلنشینی کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور اُن کے اس اظہار کی تائید و تصدیق ہوسکتی ہے۔ جس پر انہوں نے اپنے دستخط ثبت کر کے نیلام گھر کی شروعات کی ہے:۔

لفظ پھیلے تو سمندر بھی کنارہ مانگے
میرے افکار کو کیا کون و مکاں کی پرواہ
مجھ کو میزان نہ اوزان کی کوئی پرواہ
مجھ کو اثبات نہ ایقان کی کوئی پرواہ

عرش صہبائی

مارچ ۲۰۰۵ء

نذرِ قارئین

کچھ تبصرے، کچھ تاثرات، کچھ خطوط مختصر الفاظ میں

طاہر مُضطر نے ایک نئی صنف سخن کی طرح ڈالی ہے

▼۔ نیلام گھر میں طاہر مضطر نے نظم آزاد، نثری نظم، نظم معرا اور پابند شاعری، چاروں اصناف سخن کو ہم آہنگ کر کے ایک نئی صنف سخن کی طرح ڈالی ہے۔ اس ایجاد کیلئے وہ اردو دنیا کی مبارکبادی کا مستحق ہے۔ نیلام گھر میں ''پہلی بات'' پڑھ کر میں ان کی تحریر کی ادبیت، روانی اور لطافت سے بھی بے حد متاثر ہوا۔ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ طاہر مضطر اتنے عمدہ اور معیاری نثر نگار بھی ہیں۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد (آنجہانی) (ہفت روزہ ''ہماری زبان''
انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی۔ (۷۔ استمبر ۲۰۰۰ء)

▼۔ میں نے آپ کی شاعری کو عمدہ پایا۔

شمس الرحمان فاروقی الہ آباد (۸/ ستمبر ۲۰۰۰ء)

▼۔ نیلام گھر غیر متوقع طور پر ایک طویل اور گہری خاموشی کے بعد ملا۔ آپ کی نظموں سے آپ کے ذہن کی زرخیزی عیاں ہے۔ آپ نے مروّج و متعین سانچوں سے انحراف کر کے اپنے لئے ایک الگ راہ نکالی ہے۔......

مظہر امام

▼ ۔ یہ واقعی خوش آئندہ بات ہے کہ صحافت میں خاصی شہرت حاصل کرنے کے بعد طاہر مضطر ایک طویل عرصے کے بعد پھر ادب خاص کر ادب کے جوہر لطیف یعنی شاعری کی جانب مراجعت کر چکے ہیں۔ ان کی طبیعت میں شروع سے ہی جو شندی، سرکشی اور روایت بیزاری تھی وہ حیرت انگریز طریقے سے ان کی شعر گوئی میں بھی اپنی بہار دکھانے لگی ہے۔ انھوں نے اپنے مشاہدات اور احساسات کا راست اور پر زور اظہار کرنے کی ٹھان لی ہے۔

پروفیسر حامدی کشمیری، سرینگر

▼ ۔ زندگی کا قریبی مشاہدہ۔ فراخدلانہ رویہ اور بات کہنے کا فن آپ کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے۔..........

بلراج کومل......نئی دہلی۔ ۱۰ر اپریل ۲۰۰۱ء

▼ ۔ نیلام گھر کشمیر کا عکاس و ترجمان ہے۔ اور مشرق و مغرب بھی ممالک کا طرفدار۔ یہ نہال تخم احساس کی بالیدگی کا حاصل ہے۔ اسے پڑھئے اور زخموں کے گلاب چن لیجئے۔ جیتانوں کی تشنہ کامی محسوس کیجئے۔ حسن کی غمناکی اور عشق کی شوریدگی کا نظارہ کیجئے۔

پروفیسر رحمان راہی۔ سرینگر ۷ار مئی ۲۰۰۱ء

▼ ۔ جدید کشمیر کو آشوب آگہی کے جس گرداب کا سامنا ہے۔ اُس کو عبور کرنے کیلئے پامال سانچے ناکافی ہیں۔ اسی لئے طاہر مضطر نے بھی نامانوس گھاتوں کو استعمال کرنے میں جھجک سے کام نہیں لیا ہے۔ اور بہت سے مواقع پر اُن کے یہ پینترے مشاقی کا سراغ دیتے ہیں اسی لئے اُن کی شاعری میں تازگی بھی ملتی ہے اور تسکین بھی......وہ عام روش کے برعکس اپنی آواز کو سلامت رکھنے کیلئے مسلسل تگ و تاز میں رہتے ہیں۔ اور یہ بات اُن کے قارئین کیلئے خوش آئند بنتی ہے۔ جو صداؤں کی چوئنگ گم Chewing Gum والی پامالی سے اُکتا گئے ہیں۔

محمد یوسف ٹینگ جموں ۲۵ر اپریل ۲۰۰۱ء

▼ ۔ نیلام گھر کی نظموں کا دلکش اختراعی پہلو لئے ہوئے ہیں۔ان نظموں میں وہ تمام شعری محاسن موجود ہیں جو اچھی شاعری کی علامت ہوتے ہیں۔ نیلام گھر کی نظمیں پڑھ کر انسان کے منجمد احساسات پگھلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح دھوپ کی تمازت چوٹیوں پر جمع برف کو آبشار میں تبدیل کر دیتی ہے۔

عرش صہبائی
یکم مئی ۲۰۰۱ء

▼ ۔ طاہر مضطر کی شاعری کی دُنیا وسیع ہے اور عریض بھی۔ اور اس لحاظ سے نیلام گھر اُردو کی تجرباتی شاعری میں ایک قابل قدر اضافہ...... ہر سطر اُن کی فنی دسترس کی کہانی بیان کرتی ہے۔اُن کے ذہن کی لکیر روشن ہے اور اس روشنی میں وہ اپنے پڑھنے والوں کو ساتھ لیکر چلتے ہیں۔ نیلام گھر ان کی شناخت بن چکی ہے۔

نور شاہ
سرینگر ۲۷ فروری ۲۰۰۵ء

▼ ۔ طاہر مضطر نہ اندھی تقلید کا قایل ہے اور نہ لکیر کا فقیر، وہ شعر کو احساس کی لطیف بازیافت سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے احساسات و مدرکات کی ترسیل کیلئے ایسا نثری پیراہن تراشتا ہے جسے نثر لطیف بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور شعر یا نظم بھی۔ اس کی نظموں میں الفاظ کا رچاؤ خوب ہے۔ ہر خیال پوری تابانی کے ساتھ اظہار کی منزل تک پہنچتا ہے۔

پروفیسر ظہور الدین
جموں ۲۱ اپریل ۲۰۰۰ء

▼ ۔ رشتوں کی زنجیریں، آدم کی تلاش، محبت کی لازوالی اور ابدیت، جغرافیائی علامتیں اور سب سے بڑھ کر انسان کی عظمت اور حُسن اور محبت کرنے کی ادا...... یہی سودا رکھا ہے اس نیلام گھر میں ...... یہ سودا بہت انمول اور بیش بہا ہے...... اس کیفیت کو اپنے اندر اتارنے کیلئے...... اُن کے ساتھ گفتگو قائم کرنے کیلئے ہم سب کو اس نیلام گھر میں داخل ہونا ہوگا۔ یہ سوغات بار بار نیلام نہیں ہوتی ہے۔

پشکر ناتھ
جموں۔ مئی ۲۰۰۱ء

▼۔ شاعر ایک سنگیت کار ہے۔ مصور ہے اور ایک دانشور بھی .... جس کے ذہن کے سانچوں سے نکالے گئے مجسمے بولتے بھی ہیں، گاتے بھی ہیں، روتے بھی ہیں، ہنستے بھی ہیں طاہر مضطر ان تینوں خوبیوں کا مالک ہے۔

نئی دہلی

ویریندر پٹواری

▼۔ نیلام گھر میں شامل نظمیں باوجود نثر کے قریب ہونے کے اپنے اندر ایسی شعریت رکھتے ہیں۔ کہ قاری پڑھتا ہی جاتا ہے۔ خیالات کی ندرت نے لفظوں میں ایسا باطنی آہنگ پیدا کیا ہے کہ پڑھنے والا تھوڑی دیر کیلئے مسحور ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے اُن کی نظمیں ''میں راتوں کو اب جاگتا ہوں''، ''آنسو''، ''پت چھڑ کا پھول''، ''لمس پاکیزہ''، ''نیلام گھر'' اور ''یہ ہے زندان'' اس کی اہم مثالیں پیش کرتی ہیں۔

سرینگر ۱۴؍ جون ۲۰۰۱ء

ڈاکٹر محمد زمان آزردہ

▼۔ طاہر مضطر نے نیلام گھر میں شبِ ظلمات و تاریک میں یاس و قنوطیت کے کربناک ماحول میں جس انداز سے حالات واقعات کی عکاسی کی ہے۔ اس سے امید کی شمعیں پھر سے فروزاں ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ گئے گذرے واقعات جب نئے انداز فکر سے قلمبند ہوتے ہیں تو نئی نسل نئے فکر و خیال کی روشنی میں اپنے لئے روشن اور تابناک حال اور مستقبل کی تعمیر میں جٹ جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ طاہر مضطر کی یہ کوشش ایک کامیاب کوشش ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ .... این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

مولانا بشیر الدین احمد
مفتی اعظم جموں و کشمیر

▼۔ صحافت میں طاہر مضطر کا اعلیٰ مقام محتاج تعارف نہیں۔ لیکن اب ایک شاعر کی حیثیت میں "نیلام گھر" منظر عام پر لا کر انہوں نے ادبی حلقوں میں بھی اپنا ایک مقام بنالیا ہے۔

اسیر کشتواڑی صدر جموں و کشمیر اردو فورم

▼۔ طاہر مضطر کا پہلا مجموعہ نیلام گھر اپنے اندر زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایک بالغ نظر اور حساس انسان کی سوچ سموئے ہوئے ہے۔ مضطر معاشرے کے مروّجہ رشتے، اپنے اردگرد ہونے والے حادثات اور ان سے پیدا ہونے والی اندرونی کیفیت کا ایک خاص انداز سے اظہار کرتے ہیں۔ روحِ عصر مضطر کے کلام میں موجِ بیتاب کی طرح کارفرما ہے۔ نیلام گھر میں جو سلاست اور روانی ملتی ہے۔ وہ اس کی محنت شاقہ کی نتیجہ ہے۔

۹ر مارچ ۲۰۰۳ء — ظہور عشمی

(نور محمد سابق چیف سیکرٹری جموں کشمیر)

▼۔ میں آپ کے بارے میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ آپ نے جموں و کشمیر کی صحافتی دُنیا میں ایک بیباک اور منجھے ہوئے صحافی کی حیثیت میں ممتاز مقام حاصل کیا ہے لیکن اب "نیلام گھر" کی وساطت سے آپ کی فنکارانہ صلاحیت بھی عیاں طور پر سامنے آئی ہے۔ آپ کے شدت احساس اور سماجی شعور نے "نیلام گھر" میں شامل نظموں کو دلکش بنایا ہے۔

۳ر اکتوبر ۲۰۰۲ء — حسن ساہو

(ایڈیٹر روزنامہ گردش سرینگر)

▼۔ طاہر مضطر کی نظموں میں جذبات و احساسات کی گھن گرج ہے۔ سبک روی بھی اور تندروی بھی۔ امید و یاس کا تلاطم لئے ہوئے یہ نظمیں فیض احمد فیض کی یاد دلاتی ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ ؎ "کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے"

۹ ستمبر ۲۰۰۳ء — ڈاکٹر فریدہ کول شعبہ اردو گورنمنٹ زنانہ کالج سرینگر

▼ نیلام گھر کی نظموں میں فکر تجربے اور احساس کا اظہار بے کراں شدت سے ملتا ہے۔ اور طاہر مضطر آزاد نظم کی تکنیک، سلاست، روانی اور موسیقیت سے بخوبی واقف ہیں۔ طاہر مضطر صاحب نے اپنی کتاب کا نام "نیلام گھر" رکھ کر اپنے احساسات و جذبات اور اپنے افکار کو اپنے دل کے کرب میں سمیٹ کر اپنی فنی صلاحیت کا اظہار کیا ہے۔

جولائی ۲۰۰۱ء ماہنامہ "ایوان اردو"......دہلی اکیڈیمی

مبصر: منور امروہی

▼ طاہر مضطر کی نظمیں منفی رجحانات اور باطل قوتوں کے خلاف ایک حساس دردمند شاعر کا احتجاج ہے۔ قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ شاعر نے اپنے مشاہدات و محسوسات کے اظہار کیلئے جن اسالیب سے کام لیا ہے۔ اس میں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت کا نقش باقی رکھا ہے۔

ماہنامہ "اردو دُنیا" نئی دہلی۔ قومی کونسل رائے فروغ اردو زبان

اگست ۲۰۰۲ء مبصر:۔ نذرالسلام نظمی

▼ **ایک تبصرہ۔ایک جائزہ:** شائقین شعر و ادب کہتے ہیں کہ طاہر مضطر ایک عمدہ اور باصلاحیت شاعر ہیں۔ کچھ لوگ ان کی سیاسی بلوغیت اور شعور کی تعریف کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے صحافت، سیاست اور ادب طاہر مضطر کا دوسرا نام ہے۔ ان کے اخبارات اگرچہ زیادہ دیر تک اپنا وجود قائم نہ رکھ سکے لیکن ان اخبارات کی فائلیں اب بھی کشمیر کی صحافت اور سیاست کی عمدہ دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شعر و شاعری میں طاہر مضطر کے نیلام گھر کو اونچا مقام حاصل ہے۔ اُن کی آزاد طبیعت کی طرح اُن کی نظمیں بھی آزاد اور فنی بندشوں سے آزاد ہیں لیکن اُن میں بڑی روانی اور جولانی ہے۔ نظم کا پہلا لفظ زبان پر آتے ہی آخری لفظ تک ساری نظم نوکِ زبان پر متحرک رہتی ہے۔ طاہر کی نظموں کے موضوعات کا حُسن اُن کے عنوانات کے انتخابات سے دوبالا ہوا ہے۔ نیلام گھر اردو شاعری ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اردو کی معیاری تخلیقات کیلئے اہل زبان ہونا ضروری نہیں۔

۷/ جنوری ۲۰۰۳ء ادارہ......روزنامہ سرینگر ٹائمز۔ سرینگر۔

▼۔ نیلام گھر کشمیر کا کرب کا شعری اظہار ہے۔...... طاہر مظفر نے ایک موزوں سوال پوچھا ہے۔ کہ کیا میں ایک خونی ہوں؟ یہ سوال صرف طاہر کے ذہن پر دستک نہیں دے رہا ہے۔ یہ سوال اُن تمام ذہنوں پر دستک دے رہا ہے۔ جو جانور کا خون دیکھ کر بے ہوش ہو جاتے تھے...... طاہر کا ذہن آج بھی زندہ ہے اسی لیے آنسو بہا رہا ہے۔

روزنامہ قومی آواز ...... دہلی
مبصر:۔ موہن چراغی

▼۔ **طاہر مضطر احساس کا شاعر** ...... طاہر مظفر جنہیں میں نے اُستاد صحافت سے جانا ہے۔ ایک بہترین شاعر بھی ہونگے۔ یہ گماں مجھے نہ تھا...... وہ آسان اور غیر مبہم وسیلۂ اظہار کے توسط سے رشتوں کے سلسلے جوڑنے میں یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کا اظہار ان کے مجموعہ کلام نیلام گھر میں بھرپور طریقے سے اُبھرا ہے۔ اُن کی نظمیں پڑھنے والے کو کبھی جھنجھوڑتی ہیں، اور کبھی وجد میں لاتی ہیں۔ کئی نظموں کی روانی تو ایک پہاڑی ندی کی مانند ہے جو نہ تھمنے کا نام لیتی ہے نہ رکنے کا اور نہ تھکنے کا۔

ہفت روزہ کشمیر عظمیٰ سرینگر
مبصر: جاوید آذر

۹۔۱۵ راگست ۲۰۰۴ء

▼۔ نیلام گھر ایک حساس دل اور باخبر دماغ کے مالک فن کار کی لکھی ہوئی ایسی نظموں کا مجموعہ ہے۔ جن کے خارج کے شور میں سکوت اور باطن کے سکوت میں شور کی گونج صاف سنائی دیتی ہے۔ ....

ہفت روزہ جرس کارواں۔ دہلی
مبصر:۔ اشہر ہاشمی

۵ راگست ۲۰۰۰ء

▼ ۔ نیلام گھر کے تناظر میں **طاہر مضطر انسانیت کا شاعر ہے۔**
اس کی بیشتر نظموں میں انسانیت کا ماحول کا، حالات کا اور ان سے بڑھ کر کشمیر کا کرب بولتا ہے۔
طاہر کی نظموں کی وہی کیفیت ہے جو ہندی کے مشہور شاعر رام کرشن پانڈے کی نظموں کی ہے۔
جن کی ہر نظم انسانی درد اور کرب میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔

بیتاب جے پوری ..... ایڈیٹر روزنامہ فروغ وطن جموں
مطبوعہ ''ندائے مشرق'' سرینگر ۲۵ جون ۲۰۰۰ء

▼ ۔ معروف کشمیری صحافی اور قلم کار طاہر مضطر کے پہلے مجموعۂ کلام نیلام گھر میں غم جاناں کے ساتھ غم دوراں کا ذکر خوبصورت انداز میں آزاد نظموں میں کیا گیا ہے۔ ذہنی رومانیت کی رنگینی میں سماجی نا انصافیوں اور پابندیوں کی تلخیوں کے رد عمل میں بغاوت اور بیزاری کا روپ دھار لیا ہے اس مجموعۂ کلام کی روشنی میں طاہر مضطر جہاں سماجی آزادیوں کا متوالا ہے۔ وہاں سیاسی آزادی کے موجودہ تصوّرات اس کیلئے کوئی کشش نہیں رکھتے۔

ہفت روزہ چٹان سرینگر ۳۰ اپریل ۲۰۰۰ء

▼ ۔ طاہر مضطر ریاست جموں و کشمیر کے جانے پہچانے جرنلسٹ ہیں۔ ''نیلام گھر'' اسی صحافی کی آزاد نظموں کا مجموعہ ہے جس کے پیش لفظ میں جناب مظہر امام لکھتے ہیں طاہر مضطر افلاطونی رویہ اپناتے ہوئے مابعد طبیعات سے رشتہ نہیں جوڑتے۔ اُن کا رشتہ سراسر ارضی ہے اور ہماری زندگی کی آغوش کا پروردہ ہے۔ سرورق چہار رنگی میں ہونے کے باوجود سادگی میں پُر کاری کا نمونہ ہے۔

روزنامہ ''انقلاب'' ممبئی

Tahir Muzter's jouney from Jounalism to Poetry : An ex bureaucrat, a journalist and now a poet-Tahir Muzter's book ...... "Neelaam Ghar" was released this week in an impressive function organised by Rasajavadani Memorial Literary Society and Jammu & Kashmir Urdu Forum.

The book "Neelaam Ghar" is not an ordinary book but a book about the journalist turned poet's journey all the way from the power block to poetry. This book has all the sentiments of this man.

Journey Line, Jammu

(April 30, 2000)

one must read **Neelaam Ghar.** Every non-Kashmir reader of the book will feel the pain of Kashmiris, which they have been undergoing for the last decade. The poet believes and craves for new relationship, based on human feelings.

It is these human feelings which were stengthened by the prophets seers and saints in the past. The poet calls this universe "his book" which spreads over the oceans and the continents. He beleives that man should be man alone and not this or that entity. He says "I am only and only A man, I want to remain human. Don't put shackles on me. Let me breathe in free atmosphere. My religion is only that which I brought with me at the time of my birth.

(The Daily State Times, Jammu)

16.04.2000 Pre-Release Review

Tahir Muzter's Poetic collection entitled "Neelam Ghar" contains poems in free verse which has its own charm. The reader adopts a method of his own to read them in just the way he talks to a person musicalitty not withstanding.

(June 20, 2000) **Daily Greater Kashmir Srinagar**

Neelaam Ghar is a collection of Poems, which faithfully reflects the pain and suffering that have marked the turbulent times in the Kashmir valley. While acknowledging the basic reality of human relations he attaches greater importance to the much deeper relations based on human values, where the blood relations almost pale into insignificance.

SENSOR

Sunday Suppliment of Greater Kashmir Srinagar.
(May, 11 2003)

Eternal quest for man: Tahir Muzter's Neelaam Ghar, his first collection of Prose-Poems Or poetic prose, the way you look at it, is yet another expression of his eternal craving to reach the blissful state of true and genuine humanity untrammelled by divisions, barriers, biases and prejudices created by man himself.

Henrik Ibsen said "Verse is for vision, prose for ideas"....... Neelaam Ghar which is a captivating blend of poetry and prose is also a combination of vision and ideas of Muzter's Journey in search of man. philosophers have spoken and dreamt of. It is the intensity of his quest, which makes him say, time and again, that he wants to be nothing but a man-genuine and untarnished.

Muzter is a poet with a mission or shall we say, a noble dream that ultimately the man and his goodness will prevail and humanity shall cease to be torn by division............ When you peep into the depths and intensity of his feelings, you will enjoy his company, the company of "NEELAAM GHAR".

(May 10, 2000) **(The Daily Kashmir times, Jammu)**
& Kashmir Sentinal
Reviewer **: Shyam Koul**

The new awaking. Tahir Muzter along with other contemporary writers and poets, is the herald of new age. A neo-civilization of the shrunken global village is emerging on the horizon. These intellectuals like the seers of yore have foreseen and felt it and expressed in their words. If one wants to peep into the future and get an impression of the emergin new world,

Having Known Tahir Muzter for over 35 years as journalist, writer, political activest and T.V proffesional, it is difficult to contain his personality within confines of his poetic achievements. .... His pieces:

میری کتاب۔ فقط انسان۔ اپنی ذات سے ایک سوال...... نیلام گھر۔ جنت اور جہنم

in his collection "NEELAAM GHAR" would place him on high pedestal of persons with vision and liberated souls.

Sat Paul Sahni

(20-A, D/C Ghandhi Nagar Jammu)

I have been reading Neelaam Ghar and have been struck by the modern Idiom and lyrical imagery.

M.K. Kaw

Prisedent All India Kashmiri Samaj, New Delhi
Former Secretary, Ministry of
Human Resources Development Govt. Of India

(March 7, 2001)

High flight of Poetic Imagination. Syed Tahir Muztar is basically a Journalist who has now superbly wielded his gifted pen for writing poetry also. Although Neelaam Ghar is his maiden venture yet it has established his credentials as a poet. This collection of poems amply reflects the creative faculties of T. Muzter and this is certainly a new feather in his cap.

The Daily Exculsior, Jammu

(May 7, 2000)

نیلام گھر

Neelaam Ghar

(First Collection of Poems)

By

Syed Tahir Muzter

e-mail: tahirmuzter@hotmail.com

Reviews & Openions

Excerpts

I am perusing "Neelaam Ghar" with interest.

I. K. Gujral (Former Prime. Minister)
(Feb 9, 2001) INDIA

Tahir Muzter, a multi faceted personality : Tahir Muzter, author of Neelaam Ghar is a multi faceted personality having vast experience in journalism and public relations. I congratulate the author for his great achievement of writing poems and collecting them in book form. This collection of poems expresses the urge of the poet for the revival of human values. Writers and poets are always in search of truth and they try to bridge the gulf between the people of all sections of the society created by persons with vested interests.

Ved Bhasin
(Presidential Address at the Releasing function of Neelaam Ghar at Jammu press club)
(21-04.2000)

نیلام گھر

ترتیب



شریکِ احساس کے نام

کہ میرے سامنے احساس کا حسین رشتہ
تمام رشتوں سے اعلیٰ
تمام رشتوں سے اولیٰ

جسم کے سمندر میں ڈوبنا تو آسان ہے
روح کے جزیرے تک کس کی ناؤ آئے گی

مظہر امام

پہلی بات

نیلام گھر میری نظموں کا پہلا مجموعہ ہے
دس سال قبل جب اس کتاب کی کتابت مکمل ہو چکی تھی ۔اور طباعت کے لیے تیار تھی تو کشمیر میں ایک ایسی لہر چلی کہ یہاں سب کچھ بکھر کے رہ گیا.......... مختلف حلقوں نے اس لہر کے مختلف نام دیئے ۔ میں اس لہر کا کوئی نام دیکر آنے والے مورخ کے کام میں دخل اندازی نہیں کروں گا ۔ مجھے بس اتنا معلوم ہے ۔اور میں نے بس اتنا دیکھا کہ یہ لہر چلنے کے ساتھ کشمیر کے سینے سے خون بہنے لگا ...... کشمیر کی فضاؤں میں بارود کا تعفن بھر گیا......... اِدھر اُدھر دھواں اڑنے لگا ۔اور اس دھوئیں میں کھنڈرات اُبھرنے لگے ...... ماحول وحشت اثر بن گیا ۔اور اس کے ساتھ کشمیر میں جمود کا ایک ایسا دور شروع ہوا جس میں سب کچھ یخ بستہ ہو کے رہ گیا ۔اس کی تفصیل لرزہ براندام ہے ...... اپنے موضوع کے حوالے سے یہاں صرف اتنا کہوں گا کہ ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں بھی ایک خواب بن کے رہ گئیں .... میں زخمی اور جلتے ہوئے کشمیر میں "مہر وفا" کی بانسری کیسے بجاتا ۔ میں نے بھی اس کتاب کی طباعت ملتوی رکھی ۔ یہ جبری التوا تھا لیکن "ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں" ...... ایک تاریخی صداقت ہے ۔ جس کے ظہور کا عمل کشمیر میں بھی شروع ہوا ۔اور یہ بات باعث اطمینان ہے کہ پچھلے کچھ برسوں کے دوران جناب فاروق نازکی، جناب بشیر اطہر، جناب مرزا یاسین بیگ، پروفیسر رحمن راہی، جناب حکیم منظور،

جناب موتی لال ساقی، جناب رتن لال شانت، ڈاکٹر فرید پربتی، جناب رفیق راز وغیرہ نے اپنی کتابیں اجراء کر کے کشمیری ادب پر چھائے ہوئے جمود کو توڑنے کی کوشش کی۔

یہ محض کچھ تصنیفات کے اجراء کی عام بات نہیں۔ بلکہ یہ سات آٹھ برسوں کے وحشت اثر ماحول میں تخلیقی عمل سے جدا نہ رہنے کی اہم بات ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ ایک سچے ادیب اور شاعر کی تخلیقی تشنگی حالات کی ناساعدت میں بجھتی نہیں بلکہ بڑھتی ہے۔ جناب فاروق نازکی کی ''نار ہیوتن کنزل وٗنس'' لفظ لفظ نوحہ، جناب بشیر اطہر کی ''کنہ شہر'' مرزا الیسین بیگ کی ''لہو لکیر'' پروفیسر رحمان راہی کی ''سیاہ روٗدٕ جرین منز'' اور رفیق راز کی ''نٔے چھ نالان'' پڑھ کر کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہاں کے شاعر گھر کے زندانوں میں رہ کر بھی اپنے گردوپیش اور حالات وواقعات پر گہری نظریں جمائے ہوئے تھے۔ یہاں ان کتابوں کی تفصیل دینا اور ان پر تبصرہ کرنا میرا مقصد نہیں۔ البتہ کئی برسوں پر چھائے ہوئے ادبی جمود کے حوالے سے ان کا تذکرہ کیا۔ میں ان تمام جمود شکن پہل کار شعراکو سلام کرتا ہوں۔ کہ مجھے بھی اپنا چھوٹا سا پہلا مجموعہ ''نیلام گھر'' منظر عام پر لانے کی تحریک ملی۔

نیلام گھر کے بارے میں اتنا کہنا چاہوں گا کہ اس میں شامل نظمیں بنے بنائے سانچوں میں ڈھلی ہوئی نہیں ہیں...... میرا ڈکشن، میرا طرز بھی پڑھنے والوں کو شاید کچھ مختلف لگے۔ میں بنیادی طور پر ایک صحافی ہوں۔ اپنی صحافتی زندگی کے کارزار میں جب کبھی کبھار مجھے اپنی داخلی اور خارجی واردات پر سوچنے کا موقعہ ملتا ہے تو میں اپنے احساسات وجذبات کو اشعار میں نہیں بلکہ جملوں میں قلمبند کرتا ہوں۔ میری نظمیں ان ہی جملوں سے ترتیب پائی ہوئی ہیں۔

مجھے اپنے ہم زماں شاعروں کی ہمسری کرنے کا شوق نہیں۔ کیونکہ اپنے مشاہدات، محسوسات اور تجربات وتصورات کا راست اظہار میری اپنی تشنگی ہے اور.......

تمنا بھی۔ اور اس قسم کے اظہار کے لیے میں نے جو ڈکشن اختیار کیا ہے، اس نوع کا ہے کہ میں اپنے نثری پاروں کو شاعرانہ لب ولہجہ اور آہنگ کے بس اتنا نزدیک لانا چاہتا ہوں کہ نہ صرف نثر کی دماغ سوز طوالت اور بوریت مٹ جائے بلکہ یہ شاعری کے تلبیس اور ابہام سے بھی دور رہیں۔ اس عمل میں جو تخلیق اُبھرتی ہے۔ میری رائے میں وہی اچھے اور راست اظہار کا دل نشین وسیلہ بن سکتی ہے۔ ایسی تخلیق نہ اخباری نثر کی طرح دوسرے روز باسی بن جائے گی اور نہ یہ صرف شاعروں کے پڑھنے کی چیز بن کر رہ جائے گی جو شعری تخلیقات کے ساتھ عام طور پر اب تک ہوتا آیا ہے۔ اسے آپ شاعری کے مستند آفاقی تصور کی مزید ایک توسیع بھی کہہ سکتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اپنے محسوسات، تجربات اور تصورات کی لطافتوں یا تلخیوں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شامل کرنے کے مقصد سے نثر اور شاعری کے بیچ میں اُبھرتی اس صنف کے نئے نئے تجربے کرنا کوئی گناہ نہیں۔ اور نہ اسے شاعری کی توہین گردانا چاہیے یہاں میں نے یہ مختصر وضاحت اس لیے کی کہ

تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

یہاں اس بات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ جناب مظہر امام کا لکھا ہوا "پیش لفظ" صرف ۱۹۸۸ء تک کی میری نظموں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کے بعد لکھی گئی نظمیں ان کی نظر سے نہیں گذری ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے تاثرات کو اُس حصہ تک محدود سمجھا جانا چاہیے[1] جناب فاروق نازکی کے تاثرات "آوازوں کا نیا البم" زیر نظر مجموعے کے مکمل مسودہ کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں، جس میں وہ نظمیں بھی شامل ہیں جو میں نے ۱۹۸۸ء کے بعد تخلیق کی ہیں۔

نوٹ: [1] ۱۹۸۸ء کے بعد لکھی گئی نظموں کی فہرست کتاب کے آخر پر ملاحظہ کیجیے تا کہ "پیش لفظ" کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے۔

میں جناب مظہر امام کا مرہون منت ہوں جنہوں نے اُس وقت اپنی ذاتی اور سرکاری مصروفیات کے باوجود ۸۸ تک کے مسودے کو دلچسپی سے پڑھا اور کتاب کا پیش لفظ لکھا۔

میں جناب فاروق نازکی کا بھی ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے نہ صرف مکمل مسودے کو پڑھ کر اپنے تاثرات قلمبند کیے بلکہ مجھے اپنے بالغ نظر مشوروں سے بھی نوازا۔

میں خاص طور جناب شبیب رضوی کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو پچھلے کئی برسوں کے دوران وقت وقت پر میری نظموں کو پڑھتے اور پرکھتے رہے۔

نیلام گھر کی اشاعت کے لئے میں اپنے اُن نکتہ رس احباب کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے اس میں شامل تخلیقات کو خلوص ومحبت سے پڑھا، مفید مشورے دئے۔اور ان کو کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کے لیے اصرار کرتے رہے۔ان احباب میں جناب یٰسین بیگ، فرحت گیلانی، ویریندر پٹواری، مظفر ایرج، ہمدم کشمیری، بدرالدین (قمرالاسلام) ڈاکٹر فرید پربتی، اور پروفیسر مخمور حسین بدخشی شامل ہیں۔

طاہر مُظفر

سرینگر
یکم جنوری 2000

پیشِ لفظ

طاہر مُضطر کی پہلی شناخت صحافی کی ہے۔ ایک عمر ہوئی تک وہ دشتِ صحافت کے سیاح رہے ہیں۔ ان کا ذہن ترقی پسندانہ اور مزاج عارفانہ ہے۔ آج کے زمانے میں صحافت کی بنیادی قدروں کی پاسداری کرنا گھاٹے کا سودا ہے۔ طاہر مضطر گھاٹے کا یہ سودا قبول کرتے رہے ہیں۔ اسی لئے شہ کا مصاحب بن کر اترانے پھرنا انہیں گوارا نہ ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کا دِل شاعر کا ہے۔ شاعری ضمیر فروشی کے ایوان میں پروان نہیں چڑھ سکتی۔ یہ دُنیاوی اور مادّی سود و منفعت سے بے نیازی کا مطالبہ کرتی ہے۔

طاہر مُضطر کا تعلق اس سرزمینِ رنگ و نگہت سے ہے جسے کشمیر کہتے ہیں۔ اس خطے کی مادری زبان کشمیری ہے، جس کا بیش بہا ادبی اور فکری سرمایہ ہے۔ لیکن ریاستِ جموں و کشمیر

کی سرکاری زبان اردو ہے۔ اس کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوئے سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذرا۔ ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اسے سرکاری زبان کا درجہ دیا تھا۔ اہلِ کشمیر نے اردو کو اپنی مادری زبان کے پہلو بہ پہلو عزت و توقیر سے بٹھا دیا ہے، اور اپنے فکر و احساس کو ایک بڑے حلقے تک پہنچانے کے لئے اسے وسیلۂ اظہار بنایا ہے۔ محمد دین فوق، چراغ حسن حسرت، شہ زور کاشمیری، رسا جاودانی، غلام رسول نازکی، دینا ناتھ مست، کمال الدین شیدا، نند لال طالب جیسے شعراء اسی خاکِ ارجمند کی پیداوار ہیں۔ پھر قیصر قلندر، قاضی غلام محمد، حامدی کاشمیری، حکیم منظور، مظفر ایرج، اکبر جے پوری، شبیب رضوی، شجاع سلطان، رفیق راز، خالد بشیر، رخسانہ جبین جیسے طباع شعراء ہیں۔ فکشن، ڈرامہ، تنقید اور تحقیق میں پریم ناتھ پردیسی، پریم ناتھ در، رامانند ساگر، علی محمد لون، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، ڈاکٹر اکبر حیدری، ڈاکٹر محمد زمان آزردہ، ڈاکٹر برج پریمی، نور شاہ، تیج بہادر بھان، وریندر پٹواری معروف نام ہیں۔ طاہر مضطر نے اپنے جذبات اور احساسات کی ترسیل کے لئے اردو کا ہی انتخاب کیا ہے۔

اردو میں آزاد نظم کی روایت نئی نہیں ہے۔ اس کی ابتدا کا سراغ عبدالحلیم شرر کے اس منظوم ڈرامے سے لگایا گیا ہے، جو مئی ۱۹۰۰ء کے

"دلگداز" میں شایع ہوا تھا۔ لیکن باقاعدہ آزاد نظم کا نمونہ اشتیاق حسین قریشی کی نظم "دریں فطرت" کی صورت میں ملتا ہے جو جون ۱۹۲۷ء کے "ہمایوں" میں شایع ہوئی تھی۔ اس صنف کو آگے بڑھانے اور اردو ادب میں قائم کرنے کا سہرا تصدق حسین خالد، ن۔م۔ راشد، میراجی سردار جعفری وغیرہ کے سر ہے۔ آج کی اردو نظم کی ہیئت دراصل آزاد نظم کی ہیئت ہے۔ پابند نظمیں شاذ و نادر ہی لکھی جاتی ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ "نیلام گھر" میں شامل طاہر مضطر کی آزاد نظمیں ثابت کرتی ہیں کہ شاعر اس صنف کی تکنیک، سلاست اور موسیقی سے آشنا ہے۔

آخر کوئی جذبہ تو ہے جو انسان کو فطرت سے قریب کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ درختوں، پودوں، پھولوں کی زبان سمجھنے لگتا ہے اور یہ پیڑ پودے بھی جیسے انسان کے دکھ سکھ کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اس کی خوشی میں تالیاں بجاتے ہیں اور اس کی غمی میں سر جھکا کر خاموش ماتم کرتے ہیں۔ ایک ایسا ہی جذبہ انسانوں اور حیوانوں کے درمیان محبوبیت کا رشتہ قائم کراتا ہے۔ انسان اگر بے جان پیڑوں اور پودوں اور بے زبان پرندوں اور جانوروں سے رشتۂ یگانگت قائم کر سکتا ہے تو پھر انسان کا انسان سے رشتہ تو اور بھی اعلیٰ و افضل ہے۔ افسوس یہ ہے کہ انسان کی خود غرضانہ خصلت اور حیوانی جبلت نے

اسے جسمانی رشتے سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ لیکن اب بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو رشتے کو ارتفاعی صورت میں برتنے کے قائل ہیں، اور جو رُوح کو جسم پر مقدم سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک احساس کا رشتہ ہی اصل رشتہ ہے۔ رشتوں کی جانب یہ افلاطونی رویہ آج کے دور میں مذاق کا موضوع بن سکتا ہے۔ لیکن طاہر مضطر کا تعلق اسی قبیلے سے ہے جو اس رویے کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہے۔ یہ بڑا مختصر قبیلہ ہے، لیکن اسی قبیلے کے وجود کے باعث اس عالمِ خاکی کے سمندر میں حُسن و صداقت، نیکی اور پاکیزگی کی لہروں کا لمس محسوس کیا جا سکتا ہے۔ طاہر مضطر اپنی نظم "مجھ کو سنگسار کرو" میں کہتے ہیں:۔

کہ میرے سامنے احساس کا حسین رشتہ
تمام رشتوں سے اعلیٰ
تمام رشتوں سے اُولیٰ

کہ جس پہ ہوتے ہیں قربان روائتی رشتے

مزاج، احساس اور جذبے کی یہ قربت، یگانگت اور ہم آہنگی شاعر کو سرشار رکھتی ہے۔ اس کا یہ رشتہ اس شخصیت سے قائم ہے۔

جو اپنی پاکیٔ احساس سے عبارت ہے
وہ طنز و رشک و حسد کے اندھیرے جنگل میں

ضیائے شمعِ فروزاں کی طرح پھیلی ہے۔
اُسی نے جھانکا ہے میرے جہان کے اندر
اُسی نے میرا درونِ ضمیر پہچانا
اُسی نے میرا قلم چوم کر
مرے اندر
مرے گذشتہ قلم کار کو جگایا ہے۔

شعوری طور پر طاہر مضطر افلاطونی رویہ اپنائے ہوئے مابعد الطبیعات سے رشتہ نہیں جوڑتے۔ ان کا رشتۂ احساس سراسر ارضی ہے اور ہماری روزمرہ کی زندگی کی آغوش کا پروردہ ہے۔ وہ ازدواجی رشتے کی بے معنویت کے قائل ہیں اور اسے ایک مجبوری قرار دیتے ہیں، حتیٰ کہ وہ خون کے رشتے کو بھی ایک ادنیٰ رشتے سے تعبیر کرتے ہیں۔

طاہر مضطر کی بیشتر نظمیں اس شخصیت سے متعلق ہیں جن سے ان کا احساس کا رشتہ قایم ہے۔ وہ شخصیت محض ایک نرم و نازک، چھوٹی موٹی شخصیت نہیں ہے۔ وہ مصافِ زندگی میں جہد و عمل کا پیکر ہے:-

وہ آساں سمجھتی ہے سب مشکلوں کو
وہ دشواریوں کو بھی اک عزم سے جھیلتی ہے
وہ ہے سخت جاں

پھر بھی ہے نرم دل
لچک جاتی ہے گرم موسم میں شاخِ شجر کی طرح
ہر اک مرحلے پر نیا عزم لے کر
سفر زندگی کا وہ طے کر رہی ہے

(نظم: تصویر)

طاہر مُضطر کے یہاں کبھی کبھی ایسے خوبصورت شعری پیکر بھی ملتے ہیں:

یہ میری سوچ اکثر ڈوب جاتی ہے
شناسائی کے بے ساحل سمندر میں
ملنساری کے اک خوابیدہ منظر میں

(نظم: شناسائی)

وہ اس سماج میں نالاں اور بیزار ہیں جو احساس کے رشتے پر قدغن لگاتا ہے:

میرا ورثہ، مری میراث ہے منحوس رواج
میری پونجی، مری دولت ہے یہ مدقوق سماج
رسم ہے
جکڑا رہوں وقت کی زنجیروں میں

رہتا ہے
سر کو جھکائے رہوں شمشیروں میں
وقت کا حکم ہے
معصوم جوانی کو سسکتا دیکھوں
پھر بھی خاموش رہوں

(نظم : نیلام گھر)

چونکہ طاہر مضطر نے قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلی ہیں، لہٰذا زندان کا تجربہ ان کا حقیقی تجربہ ہے اور "یہ زندان ہے" کے عنوان سے ان کی تین نظمیں اس تجربے کو شعری پیکر عطا کرتی ہیں۔ ان نظموں کا ذائقہ مجموعے کی دیگر نظموں سے مختلف ہے اور ہر چند ان میں ارباب سیاست کی چیرہ دستی، قانون کی بے بسی اور عدل و انصاف کی بے نیازی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے، لیکن سچائی یہ ہے کہ طاہر مضطر کو بھی حافظ ہی کی طرح "قصۂ سکندر و دارا" سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو یہی جانتے ہیں کہ ان کی داستانوں میں "بجز حکایت مہر و وفا" کچھ بھی نہ ہو۔ وہ خود کہتے ہیں:

زندگی نام ہے
بس محبت کے لمحات کا



مظہر امام
۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء

۷- پرتاپ پارک فلیٹس،
ریذیڈنسی روڈ، سری نگر

نیلام گھر..........آوازوں کا نیا البم

طاہر مضطر کا مجموعہ "**نیلام گھر**" دیکھ کر مجھے حیرانی نہیں ہوئی، میں گزشتہ ۴۰ سال سے ان کو ایک صحافی، ایک بیوروکریٹ، فلساز اور ادیب کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ ان کی شخصیت کے مختلف پہلو مختلف ادوار میں سامنے آتے رہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل رہی کہ وہ ہر دور میں اپنی تلاش میں بڑے انہماک سے جٹے رہے۔

اس صدی کی چھٹی دہائی کے آخری برسوں میں انہوں نے کشمیری شاعری اور اس کے فوراً بعد نثر نگاری میں اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ یہ وہ دور تھا جب کشمیر میں کلچرل کانگریس نامی تنظیم کا زور ابھی باقی تھا، ترقی پسند ادبی افق پر چھائے ہوئے تھے، "کونگ پوش" نام کے رسالے میں کشمیری اور اردو میں لکھنے والوں کی تحریریں مارکسی فلسفے کو مرکز بنا کر اس مکتب فکر کی آبیاری کا آئینہ تھیں۔ انہی ایام میں طاہر مضطر نے "مشالچی" اور "ماجہ کشیرِ گن" جیسی نظمیں لکھیں۔ جن میں حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ شاعرانہ لوازمات بھی موجود تھے، بعد ازاں "ہتھوڑے" اور اس طرح کے دوسرے افسانے لکھے جو صرف اور صرف ترقی پسندوں کے تتبع میں معرض وجود میں آئے تھے۔ یہ خانیار کے مشہور حلقہ علم وادب کے عروج کا زمانہ تھا جس کے ساتھ دینا ناتھ نادم، رحمان راہی، غلام نبی فراق، امین کامل، اختر محی الدین، حکیم منظور، پشکر ناتھ، وجیہہ احمد اندرابی، صوفی غلام محمد، تیج بہادر بھان، مخمور بدخشی اور امین اندرابی جیسے ادیب اور شاعر وابستہ

تھے۔ طاہر مضطرؔ اس حلقہ کے بانیوں میں ایک تھے اور لمبی مدت تک اس کے سیکریٹری کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ساتویں دہلے کے پہلے حصے میں طاہر مضطر کی ادبی سرگرمیاں یک لخت بند ہوگئیں اور وہ صحافت کے بحرِ ذخار میں غوطہ زن ہوگئے۔ انہوں نے ہفت روزہ آہنگ اور سلسبیل سے روزنامہ پولٹیکل ٹائمز تک ایک صحافی کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا۔ وہ روزنامہ چنار کے پہلے ایڈیٹر بھی رہے ہیں اور یہ مضطر کا کوئی سیاسی پس منظر نہیں بلکہ صحافتی نیک نامی تھی کہ ۱۹۷۷ء میں نیشنل کانفرنس کی قیادت نے روزنامہ نوائے صبح کی ادارت کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں۔ اور اُس دوران جناب شیخ محمد عبداللہ (مرحوم) نے بھی طاہر مضطر کی صحافتی صلاحیتوں کو بہ نظرِ احسن دیکھا۔ صحافت میں اُن کی شخصیت کو شناخت تو مل گئی مگر کشمیری زبان ایک اچھے ابھرتے شاعر اور ادیب سے محروم ہوگئی۔

ساتویں اور آٹھویں دہاکے میں **طاہر مضطر** ایک کامیاب صحافی کی حیثیت سے قدم جما چکے تھے۔ انہی دنوں ان کا ذہن دوبارہ شعر و ادب کی طرف مائل ہوگیا۔ ترقی پسندی داستان پارینہ ہوچکی تھی اور جدیدیت اپنے جھنڈے گاڑ رہی تھی، نادم، راہی، اور کامل بیانیہ شاعری کا دفتر بند کر کے علامت نگاری کی نئی راہوں پر چل پڑے تھے اور کشمیری شاعروں اور ادیبوں کا قافلہ ان کے ساتھ ہوگیا تھا۔ ادھر اردو شاعری میں ہمدم کشمیری، حکیم منظور اور حامدی کشمیری جدید شاعری کے دامن، میں نئے گل بوٹے کاڑھ رہے تھے۔ غزل کا جواحیاء جدیدیت کے سائے میں ہوا اس میں حکیم منظور مستعدی سے آگے بڑھتے رہے اور جدیدیت کے حوالے سے اپنے لئے ایک منفرد مقام پیدا کیا۔ حامدی کشمیری نے تنقید نگاری سے لیکر نظم نگاری تک اپنی ایک خاص طرح سے قارئین کو روشناس کرایا۔ مظفر ایرج کا سٹائل اس کی پہچان بن گیا ہمدم کشمیری اس قول کے ترجمان بن کر ابھرے۔

کم کہو، اچھا کہو، اپنا کہو

ادھر **طاھر مضطر** خاموشی سے نظم کے قدیم سانچوں کو چھوڑ کر اپنے خیالات کے لئے نئے سانچے بنانے کے کام میں پوری توجہ سے سرگرم ہو گئے، ان کی نظموں میں ہیت اور مواد کے لحاظ سے ایک الگ انداز کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ سانچے غیر مانوس نہیں، کمیاب ضرور ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک طرح کا روکھا پن نظر آتا ہے۔ یہی روکھا پن روح عصر کی آئینہ داری کرتا ہے۔ ان کا براہ راست اظہار بیان موجودہ زمانے پر چھائے ہوئے صارفیت کے رجحان کا بھی غماز ہے۔ مجموعے کا نام ''**نیلام گھر**'' دیکھ کر میرے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، عہد حاضر میں ہر شے (consumerism) یعنی صارفیت کے ساتھ جڑ گئی ہے۔ ادب، سیاست، رشتے ناطے اس حد تک کہ تعلیم اور نظام تعلیم بھی اس کی زد سے نہ بچ سکے۔ نیلام گھر کا شاعر، پرانی قدروں کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہے بلکہ وہ نئے زمانے کے ساتھ اپنے ذہن کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے.........وہ اپنے آپ کو شکست و ریخت کا ایک حصہ جان کر اپنے محسوسات کو لفظوں کا جامہ پہناتا ہے ۔اس کی شاعری اپنی ذات کے حوالے سے آدم کی تلاش ہے، اس آدم کی جو آگہی کے آئینہ خانے میں ہر طرف اپنا ہی عکس دیکھ کر محو حیرت تو ہے مگر اپنے آپ کو پہچان لینے سے قاصر ہے۔ ذات یا فرد کی یہی تلاش اس طرح کے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔

ہاں مگر ایک وہ تاریک گلی
کہ جو اس گھر کی طرف جاتی ہے
جس کی منزل میں کوئی نور نظر آتا ہے
اک سماں نور سے معمور نظر آتا ہے (نظم ہم آہنگی)

میراجی کی شاعری کو ناقدوں نے دھرتی پوجا کی ایک مثال قرار دیا۔ اس کے یہاں دھرتی اکثر عورت کا روپ دھار لیتی ہے۔ وہ اس کی بوقلمونی میں ذات کی وسعتیں

تلاش کرتے کرتے ان گنت جزیروں میں بٹ جاتا ہے۔ **طاہر مضطر** نے میراجی کا مطالعہ سنجیدگی سے کیا ہے یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے لیکن اس کے یہاں زندگی اور فن کے تئیں میراجی کا سا اپروچ اور رویہ ضرور ملتا ہے۔ حیات کی کشمکش میں ایک لذت سے آشنا ہوتے کا خواب اس کے یہاں بھی تعبیر کی چیرہ دستیوں کا شکار نظر آتا ہے، اس کے یہاں بھی ایک ہولناک اندھیرا ہے جس میں سایہ در سایہ پیکر ابھرتے ہیں۔ یہ بند ملاحظہ ہو ۔

کتنے موڑوں پہ رکا، اور...... چلا ہوں اب تک
کس سڑک؟
کس کی گزرگاہ کا نام
کس کے تلووں کے نشان؟
ایک وہ موڑ......
جہاں سے میری بھرپور جوانی گزری
ہر شام سہانی گزری
جستجو!
سعی وفا......
مہر و محبت......
تاریک......
ایسی تاریک سڑک......جس کا کوئی نام، نہ منزل کی خبر
(ہم آہنگی)

کہتے ہیں ہم جس صدی میں پیدا ہوئے اس میں سارے زمانے سمٹ کر رہ گئے، فکری سطح پر انسان کا گرد و پیش اتنا بدل گیا ہے کہ اس کی جولاں گاہ ساری کائنات بن

گئی۔ گلوبل ولیج میں رہنے والے ہم لوگ صرف اس مقام سے ہی وابستہ نہیں ہیں جہاں ہماری بودوباش ہے، بلکہ جغرافیائی حدود محض علامت بن کر رہ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری پیکر تراشی ایک نئے لب ولہجہ کو تلاش کرتی ہے، آہنگ مقامیت سے بے نیاز ہو گیا ہے اور ایک گلوبل Rythem شعری تجربوں میں در آتا ہے۔ آج کا شاعر اپنے آپ سے زیادہ اور قاری سے بہت کم مخاطب نظر آتا ہے اسکے بطون سے اُٹھتا ہوا دھواں ہماری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لینے کو تڑپتا ہے، خود کلامی نے جو جگہ شاعری میں بنائی ہے، اس سے پہلے وہ اسے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

اب آؤ۔
سر کو خمیدہ کر کے یہ نکتہ تسلیم کر لیں دونوں
رضا و تسلیم کی جبیں میں دُرِّ محبت کو بھر لیں دونوں
بنے رہیں بے قصور دونوں (مونولاگ)

ان تمام حقائق کے باوجود کہ انسان بود باش کی قیود سے آزاد ہوا ہے، وہ آج بھی زمان ومکان کی تعمیر کا اسیر ہے آج بھی اپنے گردوپیش میں ہونے والے واقعات سے لاتعلق نہیں ہو جاتا۔ جب وہ تاریخ کے مظاہر۔ تہذیب کے نشانات، اور تمدن کی علامتوں کو مٹتے ہوئے دیکھتا ہے۔ تو چیخ اُٹھتا ہے ۔

بابری مسجد کے گنبد پر
کدال اور بیلچے لے کر
چونے پتھر اور اینٹوں سے
انتقام لیتے ہیں بابر کا
ڈھا دیتے ہیں مسجد
رام کے نام پر

مجھے کوئی اور نام نہ دو،
انسان کے سوا...... (نظم فقط انسان)

طاہر مضطر کے یہاں بعض نظموں میں مقامیت بھی آگئی ہے، گذشتہ دس برس کی خون ریزی براہ راست انکے خیالات سے رشتہ جوڑ لیتی ہے اس نے دس سال میں ہونے والے واقعات کو مربوط کرنے کے لیے لفظوں کے کئی پل جوڑ لئے ہیں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ کے اُن پلوں کے نیچے بہنے والے مختلف دریا۔ جو کبھی سرخ، کبھی سیاہ ،اور کبھی دودھیا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ بہتے بہتے سمندر میں جا گرتے ہیں۔ اور اپنی وسعتوں کو برقرار رکھتے ہیں۔ مضطر کی شاعری فکری سطح پر پرکھنے کی شاعری ہے...... اس کے یہاں ایک مسلسل کرب، شدید حزن وملال اور اجالوں سے مایوسی کی شکایت کا برملا اظہار ملتا ہے۔

میں انسان رہنا چاہتا ہوں،
مجھے انسان رہنے دو،
مجھے قید نہ کرو،
تاریک خانوں میں
میری دنیا ہے بے سرحد

مجھے یقین ہے کہ اہل قلم حضرات طاہر مضطر کے مجموعہ ''نیلام گھر'' کو بازار ادب کی زینت بنالیں گے۔

فاروق نازکی

سرینگر۔دسمبر 1999

دستخط

بندۂ عشق ہوں صحرائے جنون کا باسی
تشنگی کو نہیں دریائے رواں کی پرواہ

لفظ پھیلے تو سمندر بھی کنارہ مانگے
میرے افکار کو کیا کون و مکان کی پرواہ

مجھ کو میزان نہ اوزان کی کوئی پرواہ
مجھ کو اثبات نہ ایقان کی کوئی پرواہ

دُعا

ہوس اور حرص کو
دُعا کا نام دیکر
میں دست بدُعا نہیں ہوں یارب
کہ تیرا یہ بندہ
مناجات کی اِس روایت کا
مُنکر ہے
میں دَست بدعا نہیں ہوں یارب
کہ میری جھُولی میں
راحت اور خوشیاں بھر دے
میری دُعا ہے یارب
کہ بس میری حاجت پُوری کردے
جو وقت وقت پہ اُبھرے

اور نہیں معلوم مجھے کہ
وقت وقت پر میری حاجت کی
صورت کیا ہوگی
دعا میری یہ قبول کر کے
میرے خداوند!
میری فقیری کی لاج رکھ لے
کہ میری فقیری ہے میری امیری

میری کتاب

اوراق و عبارت سے بری
میری کتاب دل آویز
الفاظ نہیں، جملے بھی نہیں
پھر بھی پڑھ سکتا ہے کوئی
اپنی زبان اپنے لہجے میں
اگر پڑھنا چاہے

یہ کتاب اول ہے اور آخر بھی
جس میں کوئی تحریف کر نہیں سکتا
نہ تشریح بدل سکتا ہے
آنکھ کھلنے کے ساتھ کھل جاتی یہ کتاب
ہر شخص کے ساتھ رہتی ہے یہ کتاب
دیکھتے ہیں سب پڑھتے ہیں کچھ
یہ کتاب کائنات

ہاں! کائنات میری کتاب
بحر و بر پر پھیلی ہوئی
کہکشاں اور افلاک کو بھی
اپنے سینے میں لئے

یہ کتابِ کائنات
اس کا ایک ایک نشاں
ہاں! دشت و جبل، چاند سورج
پھول، پتھر اور اشجار
آب و آتش اور خاک و باد
بجلی کی کڑک ہو یا بادِ صبا
پھولوں کی مہک اور کانٹوں کی چبھن
زلفِ شب میں چاند کی چاندنی ہو
یا آفتاب کی شعاع ریزی کا عمل
موسموں کا تغیر ہو، یا رات دن کا ظہور
رات کی تاریکی ہو یا نصف النہار
باد و باراں کی رحمت ہو
یا اُس کی زحمت کا زور

کائنات کی ایک ایک شے

اور اس کا نظام

دیتا ہے یہ پیام

کہ خالقِ کُل کائنات

ہے بے نیاز ہر تخصیص سے

ہر تفریق سے

یکساں ہے وہ کُل مخلوق کے لیے

وہ نہ ہندو ہے نہ مُسلمان

نہ عیسائی نہ یہودی

یکساں سلوک ہر ذی رُوح کے ساتھ

جس کسی کا جو بھی مذہب

وہ مُبارک ہو اُسے

کتابِ کائنات کا یہ درسِ اعظم

ازلی ہے، ابدی ہے اور دائم ہے

میری نظر میں، میرے ذہن میں اور میرے دل میں

چھائی ہوئی ہے بس یہ ایک کتاب

ہاں! کتابِ کائنات

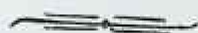
میری کتاب

حادثہ

ایک حادثہ تھا
جو پیش آیا زندگی میں
گزر گیا وقت کے ساتھ
وقت سے پہلے کچھ نہ تھا
وقت بدلا
سب کچھ بدلا
لیکن
اس حادثے کے نقوش
ثبت ہو چکے ہیں
میری یادداشت کی تختی پر
جب جب کوشش کرتا ہوں
دھونے کی
یادداشت کی اس تختی کو

خون جاری ہوجاتا ہے
اِس تختی سے
دھونے والے میرے ہاتھ
رنگ جاتے ہیں
خون کی سُرخی سے

کیا میں ایک خونی ہوں؟



فقط انسان

میں انسان ہوں
فقط انسان
مادر زاد

میں انسان رہنا چاہتا ہوں
مجھے انسان رہنے دو
مجھے نہ قید کرو
تاریک خانوں میں
مجھے آزاد فضاؤں میں سانس لینے دو
میری دُنیا ہے بے سرحد
میرا مسلک، میرا مذہب وہی
جو وقتِ ولادت ساتھ لایا ہوں
مجھے وابستہ نہ کرو

کسی رنگ سے
کہ سفید ہوں، صاف ستھرا ہوں
مجھے قبول نہیں وہ نام
جو تم مجھے دو گے
جو انسان سے بن گیا کچھ اور
میرا دَم گھٹے گا
میرا خون جم جائے گا
کہ میں نے ہر نام کی تاریخ پڑھی ہے
انسان کے سوا ہر نام
لبریز ہے فتنوں سے
عبارت ہے جنگ و جدل سے
اور غیض و غضب کی
رُوح فرسا داستانوں سے
تاریخ گواہی دیتی ہے
کہ ویترا پدیش والوں نے
نفرت کے تیز نیزوں سے
تیرہ و تار کر کے رکھ دیا ہے

امن و سکون کی فضاؤں کو

برتری رنگ، نسل اور مسلک کی
ان کا نعرہ ہے۔
اور برتری کی تشنگی میں
خلقت کو چیرا ہے پھاڑا ہے
سر الگ دھڑ الگ
ڈبویا ہے نسلوں کی نسلوں کو
خون کے سمندر میں
پوتر پرچموں کے سائے میں
لہرائی جاتی ہیں تلواریں
توپیں داغی ہیں
بم بھی برسائے ہیں
ابھی یہ کل کی بات ہے
ایران اور عراق کو کون بھولے گا
پھر کویت پر عراق کا دھاوا
تینوں اسلام کے شیدائی
کون ہلاک ہوا۔ کون شہید ہوا؟
یہ فیصلہ کرے گا کون؟
وہ آسمانے مجاری

بابری مسجد کے گنبد پر
کدال اور بیلچے لیکر
چونے، پتھر اور اینٹوں سے
انتقام لیتے ہیں بابر کا
ڈھا دیتے ہیں مسجد
رام کے نام پر
خون کرتے ہیں کروڑوں ابنائے وطن کے جذبات کا
پھر بھی اہنسا پرمو دھرما
اُن کا مسلک ہے
مجھے کوئی اور نام نہ دو
انسان کے سوا
کر رحم کے کلیسا پر بھی
خون کے دھبے ہیں
وہ کوئی اور نہیں تھے
عیسیٰ ہی کے پیرو تھے
جنہیں عیسائیوں نے ہی
جلا کر خاکستر کر دیا
صلیب کے نشان

سینوں پر اُن کے
رکھے ہوئے
اور کلیسا کے اوپر
صلیب کا بڑا نِشان
پھر بھی چمکتا رہا

تاریخ بتاتی ہے
انسان کے سِوا سب نام
برسرِ پیکار ہیں
ایک دُوسرے کے خلاف
پھر ہر نام کے دامن میں بھی
ہیں اپنے تضادات
ہے کوئی نام جو سالم ہو
بٹا نہ ہو ٹکڑوں میں
تاویل الگ تفسیر الگ
تشریح الگ اور تعبیر الگ
مجھے نہ گھسیٹو ناموں کے چکر میں
مجھے نہ پھنساؤ
رنگ برنگ مسلک کے جھمیلوں میں

کہ اِن ناموں کے
فلسفوں کی تشریح پر اگر یقین کروں
تو مجھے بھی برتری کی خاطر
کسی کو قتل کرنا ہے
یا قاتل کو مسیحا کہنا ہے
یا قاتل کے دِفاع میں آگے آنا ہے
میں ایسا کر نہیں سکتا
کہ میں انسان ہوں
فقط انسان
اور انسان رہنا چاہتا ہوں



اپنی ذات سے ایک سوال

چلچلاتی دھوپ ہے
آگ جیسے
برس رہی ہے ہر سُو
تمازت، حرارت میں
جُھلستے ہوئے
کٹے پھٹے خیموں کی یہ بستی
ہمارے گناہوں کی داستان ہے
بھیانک بھیانک

یہ بستی اِدھر بھی، یہ بستی اُدھر بھی
تپتی ریت کے صحرا میں
خشک بے آب میدانوں میں
بکھرے بکھرے یہ خیمے
اور تاریک گھروندے

اینٹوں کے

کہانی ہمارے گناہوں کی

ان میں رہنے والے لوگ

وُبدھا کی حالت میں

دبکے ہوئے سہمے ہوئے

سمٹے ہوئے ایک کمرے کے رقبے میں

کوئی اور نہیں

یہ بھی ہمارے گھر کے وارث ہیں

کل تک

ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے

میرے پڑوسی، تیرے پڑوسی

جنتِ ارضی میں جنم لیا ہے تیری طرح میری طرح

سبزہ زاروں میں پلے ہیں تیری طرح میری طرح

آبشاروں سے کھیلے ہیں تیری طرح میری طرح

شاداب کھیتوں کے مالک تیری طرح میری طرح

آہ! لیکن کیا ہوا

جنت کو چھوڑ کے اس طرف

جانا ان کو کیوں پڑا

جہاں برف کی ٹھنڈک نہیں
لو کے جھکڑ اور تھپیڑے ہیں
"قصور خود ان کا، قصور اُس کا
قصور نہ تیرا قصور نہ میرا"
یہ نہ بولو
سیاست کی اِن تاویلوں کو بھولو
کون جھٹلا سکتا ہے ـــــ بول
جب آزادی کو جوڑا ہم نے
ایک فرقے کے مذہب سے
حدِ فاصِل کھینچ نہ سکے ہم
آزادی اور دہشت گردی میں
اور ہم بہہ گئے بہکاوے میں
گُمراہ ہوئے بزدل بنے
خاموش تماشائی بنے
ایک بھی آواز نہ آئی
کسی جانب سے
یہ سرزمین جاگیر نہیں

کسی ایک خاص فرقے کی
روک لو اس کو
جو ڈرا ہوا ہے اور سہما ہے
ہماری طرزِ دہشت سے
میں مسلمان ہوں
اسلام کی بات کرتا ہوں
تم ہی قرآن کی کوئی آیت بتاؤ
کوئی حدیث سناؤ
جو کہے کہ وہ جو ہم نے کیا
ٹھیک کیا۔ اچھا کیا؟

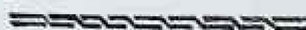


زِندگی

زِندگی گردشِ روز و شب کا تماشہ نہیں
زِندگی موسموں کا تغیر، راتوں کا تسلسل نہیں
زِندگی خاک و باد نہیں
زِندگی آب و آتش بھی نہیں
زِندگی جنم سے مرگ تک کا فاصلہ نہیں
زِندگی ماہ سال کی داستان نہیں
زِندگی فکرِ نان و نمک کا المناک منظر نہیں
زِندگی تنورِ شکم کو جھونکتے رہنے کا نام نہیں
زِندگی زمانے کے چلن اور دستور کی تعمیل نہیں
زِندگی عیش و عشرت نہیں
زِندگی نشاط و فرحت کی مستی نہیں
زِندگی زہد و تقویٰ بھی نہیں

زندگی صرف پوجا نہیں
زندگی صرف سجدہ نہیں

زندگی کیا ہے
زندگی کی جان
زندگی کا جوہر کیا ہے ؟
زندگی نام ہے
ایسے روح افزا لمحات کا
جن سے احساسِ اُلفت کو خوشبو ملے
زندگی نام ہے
بس محبت کے لمحات کا



جنّت اور جہنم

میں نہیں ڈراتا ہوں تم کو
کہ تم بنو گے
دوزخ کا ایندھن
میں کیسے سناؤں یہ خوشخبری تم کو
کہ جنت تمہیں ضرور ملے گی
میں نے کب تم سے کہا یہ
کہ گناہ کیا ہے ثواب کیا ہے۔
وہ اور لوگ ہیں
جو بنے ہیں مفسر گناہ ثواب کے
و لیکن
جنت اور جہنم کا تصوّر
چلا آرہا ہے

اور ازل سے

اور روزِ جزا پر یقینِ واثق

عقائد و مسالک کی رُوح ہے بِلا شک

مندر، مساجد اور کلیسا

اِسی تصوّر کے پرچھاواں ہیں

دوزخ کا ڈر اور جنت کی تمنا

عُمر گذر جاتی ہے اسی فکر میں

پھر بھی ہے دسواس کا عالم

اور تذبذب کی حالت میں خود مُقلد مفسّر

رخصت ہوتے ہیں اس جہاں سے

لیکن میرا مسلک صاف اور واضح

اور جنت عیاں ہے میری نظر میں

کہ میرا مسلک ہے جو ہر فرمودہ رب کا

سُننے میں تمہارا خسارہ بھی کیا ہے

نہ کرو تم اوروں سے ایسا

جو نہ چاہو

کرے کوئی تم سے

پھر یہ دُنیا جنت نشان بنے گی
اور لپکتی آگ جہنم کی
وہاں بھی بجھ جائیگی۔



تصویر

اُس کے چہرے پر غازہ نہیں
اس کی آنکھوں میں کاجل نہیں
اس کے خمدار گیسو بھی سنورے نہیں
اور شیریں لبوں پر بھی سُرخی نہیں
ہاں! نہیں چوڑیوں کی کھنک بھی نہیں
اور لباسِ حسین کی دھنک بھی نہیں
بدن زر سے زیور سے ہے بے نیاز
ہے نہ جھنکار پاؤں میں پازیب کی
اور نہ گردن میں کوئی چمکتا سا ہار

نہ لہو لعب
اور نہ ہی کج روی
مثلِ خورشید بے داغ اُس کا شباب
ہے مہ و سال کی نرم رفتار سے

بے نیاز

پاک دِل، پاک طینت ہے وہ

پاکباز

مچلتی تمناؤں پر ضبطِ کامل

مزاج اس کا ہے زاہدانہ

خیال اس کا ہے صوفیانہ

ادا اس کی ہے شاعرانہ

وہ حوّا کی بیٹی

نحیف اور نزار

پلی ہے غم وکرب کے پالنے میں

بڑھی ہے مشقت صعوبت کی پرچھائیوں میں

وہ ہے رنج وکرب وصعوبت کی خوگر

وہ آسان سمجھتی ہے سب مشکلوں کو

وہ دشواریوں کو بھی اِک عزم سے جھیلتی ہے

وہ ہے سخت جان

گو کہ ہے نرم دِل

برگِ گُل کی طرح

وہ ہوائے مخالف کی یلغار سے
تو جھکتی ہے لیکن نہیں ٹوٹتی
ہر کڑے مرحلے پر
نیا عزم لے کر
سفر زندگی کی شدت میں بھی اظہار کرتی نہیں
وہ ہے زندگی سے گریزاں
مگر زندگانی سے بیزار ہوتی نہیں
خلوصِ وفا کی لکیروں سے ترتیب پائی ہوئی
خلوصِ حقیقت کے رنگوں میں ڈھل کر، بنائی ہوئی

یہ تصویر

میں نے یہ تصویر دیکھی ہے
کتنی حسین ——— اور
دلنشین



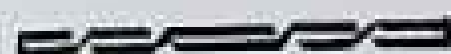
بُوالہوسی

حقیقت سے خائف لوگوں کو
تخیّل کی پرورش مُبارک ہو
انسانیت سے عاری لوگوں کو
نفسا نفسی مُبارک ہو
مکمل سُپردگی نام ہے محبت کا
جو کر نہ سکے ایسا
اُسے ہوس پرستی مُبارک ہو

استغنا کا مُقام اولیٰ ہے
جو اِس منزل پر نہ پہنچ پائے
عُمر بھر کی گدائی اسے مُبارک ہو
زندہ جسموں میں اگر رُوح ہے
پژمردہ، نزار
ایسے بوالہوسوں کو
چوپایہ کی زندگی مُبارک ہو

میں راتوں کو اب جاگتا ہوں

ہر شب تیری دید کی تمنا لیکر
میں اپنے شبستاں میں قدم رکھتا تھا
اور تصور میں تیری صورت بسا کر
میں راتوں کو طول بھی دیتا تھا
اس خیال سے کہ میرے خوابوں میں
ضرور آئے گی
پھر ایک شب تجھ کو جو دیکھا میں نے
میں چیخ اٹھا مرا خواب ٹوٹ گیا
میرا شبستاں تڑپا۔ شبستاں کی ہر شئے بکھر گئی
ہاں میں نے خواب میں جب تجھے افسردہ پایا
ترے لب سئے ہوتے تھے
اداس چہرے کے دائرے میں
تری خموش نگاہوں سے غم جھلک رہا تھا
یہ وہی ڈر ہے کہ تجھے دیکھ نہ لوں افسردہ
میں راتوں کو اب جاگتا ہوں



قانون

یہ ایک قاتل ہے قتل کر دو
سُنا دو اب موت کا فیصلہ، دیر کیوں کر رہے ہو
یہ فیصلہ ہے عین قانون
لگا دو اس کے لبوں سے بس کا بھرا پیالہ
یہی ہے انصاف کا تقاضا
یہی ہے منشائے عدل و قانون،
اسیر کر لو
جکڑ لو مضبوط آہنی بیڑیوں میں قدموں کی جُنبشوں کو
کہیں نہ سوچے فرار کی بات
کہیں نہ گھر کا خیال آئے، اُٹھے بھاگ جائے۔
یہی ہے قانون کا تحفظ۔

دکھا دو اس کو صلیب، کا شوخ و شنگ رستہ!

دکھا دو دار و رسن کا جادہ

کہ رُوح اس کی خرام رفتار آزمائیے۔

بدن کی تاریک کوٹھری میں نہ رہنے پائے

یہ ایک قاتل ہے قتل کر دو

یہی ہے انصاف کا تقاضا

کہ فیصلہ کرکے پھر نہ بدلو

اگر شریکِ حیات اس کی کرے سماجت

سُنائے کچھ دلِ خراش چیخیں

تو سُن کے تم ان سنی کر دو

جو اس کے معصوم بچے رو ئیں

غمِ یتیمی کی ایک سوگوار چادر میں لپٹے سہمے

تو ان کو قانون کی تلخ سوغات کی نذر کر دو

وہ بعد میں ڈاکہ ڈالیں کہ خود کُشیں

یہ دُور کی باتیں تم نہ سوچو

اسی میں قانون کا بول بالا

یہ ایک قاتل ہے قتل کر دو

یہی ہے انصاف کا تقاضا

لے جاؤ اس کو سوئے مقتل

ارے — یہ کیا؟ اتنی سست گامی

کہیں تمہارے خیال میں اس کی بیٹی بہن اور بیوی کی معصوم فریاد گونجتی ہر گی شاید

تم سوچتے ہو گے اس کے مرنے کے بعد کوئی فرازِ عصمت کو سر اٹھا کر نہ دیکھ پائے

فضائے عفت میں اڑ نہ پائیں ہوس کے منحوس شوم طائر

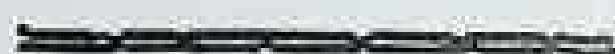
تم یہ سوچتے ہو گے قانون کا کوئی نرم گوشہ انہیں زندگی کی ضمانت بھی دیدے

مگر اس طرح سوچنا بزدلی ہے

کہ فیصلہ کر کے فیصلہ بدلنا بھی گویا قانون کی خودکشی ہے

تم آج اپنے قانون کی — اندھے قانون کی لاج رکھ لو

یہ ایک قاتل ہے قتل کر دو۔



مُجھ کو سنگسار کرو

جسم کیا چیز ہے رُوح کی بات کرتا ہوں
میں احساس کے رِشتے کو
حیاتِ شادماں ـــ اور
حیاتِ جاوِداں کی صُورت سمجھتا ہوں
کہ میں صحیفۂ احساس کا پیامبر ہوں
اُٹھاؤ سنگ، بڑھو
مُجھ کو سنگسار کرو

مجھ کو سنگسار کرو[۳]

اُٹھاؤ سنگ، بڑھو
مُجھ کو سنگسار کرو

کہ میں ادنیٰ رِشتہ سمجھتا ہوں خون کا رِشتہ
مُجھ کو سنگسار کرو
مُجھ کو نذرِ دار کرو

مِلن کے جسموں کو، میں اتفاق کہتا ہوں
میں رِشتۂ ازدواجی کو بھی سمجھتا ہوں
بس ایک اِتفاق یا مجبوری

اگر لپٹنا چمٹنا جسموں کا
تعلقات کا، رشتے کا لازمہ ہوتا
تو کوٹھے والی وہ عورت
جو چمٹی رہتی ہے ہر شب ہر ایک گاہک سے
ہزار لوگوں کی بھی رِشتہ دار کہلاتی

فقط رسوم سے رشتے جو جاوِداں ہوتے
تو ٹوٹتا نہ کوئی رشتہ بعدِ عقدِ نکاح
مگر نزاع، لڑائی، تناؤ چھٹکارا
یہ ہوتا آیا ہے، ہوتا ہے، ہوتا جائے گا
کسی کے بطن سے پیدا کسی کا ہو جانا
یہ آفرینش و تولید
یہ سلسلہ تو چلا آ رہا ہے آدم سے
مجھ کو سنگسار کرو
مجھ کو نذرِ دار کرو
کہ میں وہ کہتا ہوں جو تم سمجھ نہیں سکتے
سمجھنا اصل حقیقت کا سخت مشکل ہے
پھر اس کا ذکر
تو اس سے بھی بڑھ کے ہے دشوار

اُٹھاؤ سنگ بڑھو
مجھ کو سنگسار کرو

کہ اُس کے ساتھ میرا جو لطیف رشتہ ہے
میں اس کے ثبوت میں کاغذ نہیں دکھا سکتا
نہ ہم نے آگ کے پھیرے لگائے منڈپ میں

نہ ہم نے جا کے کلیسا میں حاضری دی ہے

زمیں نے اس کے بدن کو چھُوا تو وہ لپٹی
مرے قریب بھی ہرگز کبھی نہیں آئی
مگر تمہارے تصوّر میں آ نہیں سکتا
وہ قرُب جو ہمیں حاصِل ہے ایک دُوبجے سے
سہاگ رات میں ایک دوسرے سے لپٹے جسم
بھی جان جائیں اُسے گر
تو خود کو اجنبی سمجھیں

اُٹھاؤ سنگ، بڑھو
مجھ کو سنگسار کرو
کہ ایسا کہتا ہوں
حالانکہ میں بھی رشتوں میں بندھا
ایک فرد ہوں
میں بھی ایک شوہر ہوں
کسی کا والد
کسی کا بیٹا ہوں
ہیں میرے بھائی بھی اور بہنیں بھی
مگر میں جانتا ہوں یہ بھی ایک حقیقت ہے

کہ اس جہاں میں یہ "خود بخود" کے رشتے
چلے ہی آتے ہیں پیہم چلے ہی جائیں گے
ابد کی منزل تک

میں ان کا پیارا ہوں

وہ سب میرے بھی پیارے ہیں
میں اُن کے ساتھ جیا ہوں، پلا بڑھا بھی ہوں
میں کیسے بھولوں انہیں اور کس طرح چھوڑوں

پھر قیامت کون سی آئے گی
جو کوئی اور بھی اپنا
مجھے سمجھنے لگے

اُٹھاؤ سنگ، بڑھو
مجھ کو سنگسار کرو

مجھ کو نذرِ دار کرو

لہولہان کرو میرے اس سراپا کو
لپکتے تیروں سے طعنوں کے نکتہ چینی کے
کہ میرے سامنے احساس کا لطیف رشتہ
تمام رشتوں سے اعلیٰ
تمام رشتوں سے اولیٰ

ہر ایک ربطے برتر
روایتوں سے بلند
امر ہے اور مقدس
یہ رشتۂ احساس
کہ جس پہ ہوتے ہیں قربان روایتی رشتے

وہ بنت حوّا
جو انسانیت کا پیکر ہے
وہ طنز و رشک و حسد کے اندھیرے جنگل میں
ضیائے شمع فروزاں کی طرح پھیلی ہے
جو اپنی پاکیٔ احساس سے عبارت ہے
اُس نے جھانکا ہے میرے جہاں کے اندر
اُس نے میرا درون ضمیر پہچانا
اُس نے میرا قلم چوم کر

مرے اندر
مرے گذشتہ قلم کار کو جگایا ہے
ہم اجنبی تھے مگر جب ملے تو دل کو لگا
کہ ہم ضرور کبھی ہمسفر رہے ہوں گے
کسی جنم میں، کسی یگ میں

معتبر ساتھی ۔۔!
کہ اس کی غزلوں میں، نظموں میں، شعر شیریں میں
ہے مرے غم کی ندا
اسی کو کہتے ہیں احساس کا اٹوٹ رشتہ
جو سارے رشتوں سے اعلیٰ ہے
اور مقدس بھی
تمام رشتوں سے افضل
جمال رُوحانی
جلالِ انسانی
مآلِ ایمانی
میں تشنہ تھا اسی رشتے کے جامِ تسکین کا
یہی پیاس تھی
جس کے لئے زہر کے گھونٹ
پیتا رہا میں عمر بھر
میں زندہ رہ کے بھی ہر زندگی سے دُور رہا
میں آج بھی وہی احساس کا حسین رشتہ
فگار و تیر زدہ سینے سے لگائے ہوں
زندگی سجائے ہوں

اُسی کی پوجا میں کرتا ہوں دل کے مندر میں
اُسی کا ہے دھیان ہر لمحہ
جو چاہتے ہو تو پھر
مجھ کو سنگسار کرو
مجھ کو نذرِ دار کرو

میرا یہ جرم
رسومِ جہاں کی زنجیریں
جکڑ کے روک نہیں سکتی ہیں میرا احساس
تمہارے اندھے عقیدوں کے معبدوں میں کبھی
میں سر جھکا کے
گنہگار ہو نہیں سکتا
تمہارے صدیوں کے
ان بند ھنوں کے مندر میں
میں پوجا نہیں سکتا رسومِ کہنہ کی
تمہارا خنجرِ قانون کاٹے میرا سر
مگر یقین ہے میں پھر بھی
مر نہیں سکتا ———
میں اپنے عہد کا انسان ہوں

نقطۂ انسان

آج طرح سے میں انسان رہنا چاہتا ہوں

میرا عقیدہ

مرا نقطۂ نظر ہے یہی

کہ ربطِ احساسات

کہ رشتۂ احساس

ہے ایک حسین طلسم

جسم کیا چیز ہے رُوح کی بات کرتا ہوں

میں احساس کے رشتے کو

حیاتِ شادماں ــــ اور

حیاتِ جاوداں کی صُورت سمجھتا ہوں

کہ میں صحیفۂ احساس کا پیامبر ہوں

اٹھاؤ سنگ بڑھو

مُجھ کو سنگسار کرو



پیشگی ضمانت کی درخواست

پیشگی ضمانت کی درخواست
گزر چکا ہے پیشیں کب کا
میرا وکیل
کہ قانون میں ہے
گنجائش اس کی
اور میری دلیل ہے یہ کہ
دار و گیر کا قانون بنایا ہے میں نے
زندان کا تصوّر بھی میرا ہے
میں ہی جرم و سزا کا اصلی مُفسر ہوں
کہ ہر جُرم پہ
تعذیر کا پیمانہ مُقرر کیا ہے میں نے
دولت کی حد بندی یا

ٹیکسوں کا نظام
میں سب کا مُصنف ہوں
قانون کی درسگاہوں کو
بنایا ہے میں نے
ججوں کا تقرر بھی ہوتا ہے میری نشاندہی سے
میں مسند نشین ہوں
ایوانِ مُقدس کا
وطن کے مفاد میں کام کرنے کا
حلف بھی اُٹھایا ہے میں نے
اور حکومت میں شامل ہوں
اسی مقصد کی خاطر
وطن دشمنوں کا یہ بہتان ہے مجھ پر
کہ دولت کی بہتات ،
میرے اثاثے
گھٹالوں کی ہیں دین سب ،
یا کورپشن کے عطیے

یہ جو بن پر ہے اپنے دیش کی ترقی
دولت، اثاثے اور میرا سب کچھ
معیار کی بلندی اور ترقی کا ہے مظہر
گھٹالوں اور کورپشن کا رونا رونے والے
سبھی ہیں یہ ملک کی ترقی کے دشمن



ایک غیر مطبوعہ خبر

شہر کی سڑکوں پر لوگوں کے ہجوم
تھک کر چُور جیسے، چہرے نڈھال
لب جیسے سِئے ہوں اُن کے
اور یاس و حسرت میں ڈوبے ہوئے
ہاتھوں میں لئے ٹمٹماتے چراغ
یہ کوئی چراغاں نہیں
بے یقینی کے
گھٹا ٹوپ اندھیرے میں
امن کو ڈھونڈنے نکلے ہیں کو بکو
لیکن ہر طرف دہشت ہے طاری
کون کس کو مار رہا ہے
یہ بھی اب معلوم نہیں

ہاں ہر شام
لاشوں کی گِنتی ہوتی ہے
کب کِس کی باری آئے گی
کب ڈھیر ہوگا کون کہاں ؟
یہ سوچ سوچ کے
فق ہے رنگ ہر چہرے کا
اور ہر زبان پہ الامان الامان

یکایک ایک زوردار آواز آئی
شاید آسمانوں سے
تمہاری بے رحمی کا دفتر
کھُلا ہے مرے سامنے
خونِ ناحق کے گنہگارو
غضب کی اِنتہا کرنے والو
کیا ایک بھی تم میں ایسا ہے
جس نے قاتِل کو روکا ہو
غاصِب کو ٹوکا ہو

تم ہدی کے منکر نہیں محمد ہو معاون ہو

رحم کی درخواست کرنے والو
تم نے خود لاشوں کو بھی نہ بخشا
میرا عرش کپکپا اُٹھا ہے
ان لوگوں کی آہوں سے
جن کے وجود کو تم نے چیرا ہے پھاڑا ہے
اُجاڑ کے پھینک دیا جن کو
بے گھر اور برباد کیا ہے جن کو

یتیم بچے بلک رہے ہیں
بیوائیں سسک رہی ہیں
بوڑھے ماں باپ
جوان بیٹوں کی
قبروں پر رو رہے ہیں
کیا میں سب ان سنی کر سکتا ہوں
نہیں یہ میرا وعدہ نہیں
آہوں کو اثر بخشا میرا طریق خداوندی ہے
تمہاری مٹی کو بھی چین نصیب نہیں ہوگا

برس ہا برس، سالہا سال

جب تک نہ تمہارا کفارہ پُورا ہوگا

یہی آہوں کا اثر ہے

امن انعام ہے، برکت ہے، رحمت ہے

اور نہیں ملتا یہ انعام

کُفرانِ نعمت کے گنہگاروں کو

جاؤ تم اپنا محاسبہ کر لو

ندامت کے آنسوؤں سے

اپنے قاتل و غاصب ہاتھوں کو دھولو

تم جو بدی کے مددگار ہو معاون ہو

پھر یہ ہاتھ میری طرف اٹھاؤ

اس ندا کے ساتھ

لوگوں کے ہاتھ کپکپائے

اور گر پڑے ان کے ہاتھوں سے

سارے چراغ

وہ سب چلائے

اے خدائے خبیر اے خدائے حسیب



آنسو

ترے اشکوں کے چشمے سے
مرے غم کا سمندر پھوٹ پڑتا ہے
وہ سارے دکھ صدا دیتے ہیں — جو
تری محبت میں سدا خاموش ہوتے ہیں
مرا ہر زخم تازہ اور شگفتہ ہے
سُلگتی کلفتوں کے ڈھیر سے لپکے ہوئے شعلے
مرے دل میں دہکتے خون کے ہر قطرے کے پیاسے ہیں
یہ رشتہ رُوح کا ہے
رُوح چلاتی ہے — لیکن
بے صدا، بے صوت چیخوں میں
مُسلسل بے نام لہروں اور موجوں میں
کوئی کچھ بھی نہیں سُنتا۔

سُنو اے رُوحِ من!

مرا دِل چھلنی کر کے خون رُلاتی ہے محرُومی

مرے دامن پہ اشکِ یاس برساتی ہے محرومی

محرومی.........؟

یہ محرُومی تو ہے احساس کی صُورت

اور اِس جابر زمانے میں ـــ زمانے کا یہ جور و جبر

میرے احساس کا گویا مُقدّر ہے

تیرے احساس کا بھی مُقدّر ہے

چلو ہم دونوں روئیں

اِس مُقدر کو

کہ یہ بھی ایک قدرِ مشترک ہے ـــ اور

دونوں میں ہم آہنگی کی یہ بھی

ایک صُورت ہے





تُمہاری شربتی آنکھیں
مرے احساس کے خاموش اور ویران درپن میں
چمکتی جھلملاتی ہیں
میرے جذبات کے بے حس اور بے جان آنگن میں
لپکتی اور سہلاتی ہیں
میری آنکھوں میں آکر تم مجھے یاد کراتی ہو
کہ جیسے وقت کی کالی گھٹاؤں سے
حسین لمحوں کا پورا چاند نکلا ہے
سیہ شب سے سحر کا نور ابھرا ہے
میں راتوں کو تمہاری دید کی حسرت میں سوتا ہوں
میں خوابوں میں تلاشِ کوچۂ اُلفت میں سوتا ہوں
کبھی شوقِ طوافِ در، کبھی بوسہ

کبھی دستک، کبھی سجدہ، کبھی شکوہ
میں خوابوں کے سفر میں تھک کے جس دم
چور ہوتا ہوں
جلا کر شمع، جلتی یاد سے پُر نور ہوتا ہوں
تمہارے رُخ کی تابانی سے میں معمور ہوتا ہوں
مگر تم — اس گھڑی
اپنے جواں اور خوبصورت سے شبستاں میں
کسی "خوابیدہ جسم" انساں کو شاید
محبت ممکن ہے تم اپنا سمجھ کر یاد کرتی ہو
وگرنہ میری دستک سے
تمہارے شبستاں کے حسیں پردے سرک جاتے
دریچے خود بخود کھلتے
کوئی آواز آتی
اور میرے کانوں سے ٹکراتی
ارے تم ہو



شناسائی

لوگ ملتے رہتے ہیں
لوگوں سے پیہم راستوں میں، محفلوں میں، خلوتوں میں
دیکھنے، ملنے، بولنے اور سُننے سے
عبارت ہے حیاتِ آدم
یہ زندگی
شکل و صوُرت سے شناسا لوگ سب
زندگی کے اِس سفر میں ملتے رہتے ہیں
کبھی جُھک کر، گلے مِل کر
کبھی شانِ تغافل سے بھی، پھُولوں کی طرح کھِل کر
یوں میں بھی زندگی کے کارواں کا ایک راہی

میں اکثر سوچتا ہوں
کون کس کو جانتا ہے
کون ہے کس کے درون سے واقف
یہ میری سوچ اکثر ڈوب جاتی ہے
شناسائی کے بے ساحل سمندر میں
ملنساری کے اک خوابیدہ منظر میں
یہاں تک کہ
میں گم ہو جاتا ہوں
لوگوں کے جھرمٹ میں
مرا تخیل، میری سوچ
میرے سوال
دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں سب
مگر جب اپنے گھر میں اپنے کو میں
اجنبی محسوس کرتا ہوں
بھری دنیا میں تنہا ہی بھٹکتا ہوں
تو میری سوچ بھی کروٹ بدلتی ہے
تڑپتا ہے سوالِ دلنشین

کر پاجامے جو لب اپنا
میرا درد و آہ بھرتا چیختا ہے
مرا کرب دروں چلاتا ہے
مجھے تڑپاتی ہیں بے چینیاں روح تجسس کی
مگر سنتا نہیں کوئی
بندھا ہوں ــــ پھر بھی دنیا کے رشتوں میں
میں ایک نور نظر بھی ہوں
میں اک لخت جگر بھی ہوں
برادر بھی
پدر بھی
شوہر بھی
اور کسی کا دوست بھی ہوں
مجھے پہچان سکتے ہیں سب
لوگوں کے جھرمٹ میں
مرے شکل و شمائل، ناک نقشہ سے وہ واقف ہیں۔



رُوح اور لہو

خاک کے پُتلے میں جب
پھونکی گئی رُوح
گوشت پوست کا

آدم بنا
پھر جسم آدم میں جب
گردش لہو کرنے لگا

حیاتِ آدم کا آغاز ہوا
لہو کی روانی سے عبارت ہے

زندگی انسان کی
لہو رک جائے تو

مرگ کا ہے سامنا
یہ رُوح ہے یا لہو
جس نے خاک کے پُتلے کو بنایا
آدم پھر آدم زاد

دو ہاتھ

دو ہاتھ

اک دوسرے سے پیوستہ
نشان میرے تمہارے لبوں کے
ان ہاتھوں پر
کہ مہر ثبت تھی، تصدیق دوستی کے لئے
یہ دوستی کا تھا پیمان زندگی بھر کا راز
مگر خموش تھے لب
کسی صدا، کسی آواز کا وجود نہ تھا
مقدس آیت احساس کی ندا کے سوا
کسی نوا، کسی ہنگامے کا شہود نہ تھا
اک ایسے رشتہ باہم کی
دلربا تقریب
گواہ جس کا کوئی بھی نہ تھا زمانے میں

مری، تمہاری نگاہوں کی روشنی کے سوا

میرے ندیم

اس تقریب کی قسم —— سوگند

یہ رشتہ باہم

ازل سے طے شدہ ہے

وگرنہ دو متضاد

سمتوں کے راہی

یوں آن ملتے

ایک نقطہ پر



اُف

طوفان آنے والا ہے

اُجڑ جائیگا یہ مندر
جہاں میں دیوی کی پوجا کرتا ہوں
یہ مسجد ٹھنڈی ہو جائیگی جہاں
میں سجدۂ شوق ادا کرتا ہوں
یہ کلیسا زمین بوس ہوگا
جہاں میں ایستادہ ہوتا ہوں
مریم کے تصوّر میں
طوفان! زبردست طوفان آنے والا ہے
یہ درخت اُکھڑ کر گر جائیگا
جس کی چھاؤں میں

میرا جھلستا ہوا وجود ٹھنڈک محسوس کرتا ہے
پانی کی ایک ایک بوند کے لیئے
ترسوں گا جب ——
یہ چشمہ خشک ہو جائیگا
جو میری محبت کی تشنگی بجھاتا ہے
چاند چھُپ جائیگا
گھنے اور مہیب بادلوں کے اندر
اندھیرا چھا جائے گا ہر سو
جہنم آگ اُگلے گا
جہنم کا عذاب شروع ہو گا

اُف ! یہ طوفان

رسم جہاں سے شروع ہو گا
اُس کے ازدواجی بندھن تک

اس طوفان میں
سب کچھ بہہ جائیگا
ایک
اُس کی یاد کے سوا

بلا اشتباہ

تمہارے چہرے پر سیاہ نقاب
تمہارے ہاتھ پہنے ہیں
دبیز دستانے
کہ تمہارے جرم رہیں بے نام و نشان
اور تم
بری رہو رائے عامہ میں
اپنے سنگین جرموں سے
تمہارا چارٹر، تمہارا منشور
نہیں ہے کہیں لفظوں میں
تم کبھی ایک لفظ بھی نہیں بولے
تم بہرے بھی بنتے ہو

اور گونگے بھی
ردِ عمل کوئی چیز نہیں
تمہارے عمل کے خاکے میں
آہوں چیخوں کا تم پر کوئی اثر نہیں
جیسے انسان نہیں تم پتھر ہو۔
تمہارے عمل سے آباد گھر ہیں اب اُجاڑ
تمہارے عمل سے ہوئے بچے یتیم
تمہارے عمل سے چھن گیا ہے
ماؤں بہنوں کا سہاگ
قاتلِ نام ہے چھوٹا
تمہارے لئے
چنگیز، ہلاکو، اور ہٹلر
تم سے بہتر تھے
کہ کھُل کر سامنے آتے تھے
لیکن تم اپنے کو چھُپا رہے ہو
پردوں میں —— لیکن وہیں
ارضِ گلاب کے سینے سے رواں
سُرخ خون لکھ رہا ہے

تمہارے عمل کی سیاہ داستان
اور خونِ ناحق رنگ لایا ہے دیکھو
آئینۂ عالم میں اب
تمہارا نقاب ہے تار تار

مونولاگ

قصور تم اپنا پوچھتی ہو؟
تم ہی بتاؤ
قصور آخر میرا بھی کیا ہے؟
اگر یہ میرا تمہارا رشتہ
جنم دیا ہے نگاہ دِلکش کی گفتگو نے
تو پھر بتاؤ
قصور اس میں کسی کا کیا ہے؟
اگر خیالوں کی قربتیں لفظوں نے دِکھلائیں
اگر دِلوں کی مسافتیں عشق نے مِٹائیں
تو پھر ہے اِس میں قصور کس کا؟
اگر ہم آہنگیٔ احساس و فکر نے بخشی

تمہارے اور میرے دِل کو پیار کی جدت

تو پھر ہے اس میں قصور کس کا؟

ترک تعلق کے باوجود جو ہے

اسی تعلق خاطر پہ زندگی موقوف

تو پھر ہمارا قصور کیا ہے؟

ہم اس طرح ایک دوسرے کو خطا کا الزام

دیں تو کیسے

قصور میرا نہ ہے تمہارا

یہ دو دلوں کے لگن کی ایک شوخ داستان ہے

ہر ایک دِل بے نیاز ہے عقل کے فسوں سے

بری تقاضائے مصلحت سے

حقیقتاً دِل کی حکمرانی ہی

ہے اصل حکمرانی

اب آؤ

سر کو خمیدہ کر کے یہ نکتہ تسلیم کر لیں دونوں

رضا و تسلیم کی جبین میں درِ محبت کو بھر لیں دونوں

بنیں ہیں بے قصور دونوں

مرنے کا حق

موت کی آغوش میں
جانے دو اُسے
جو اب نحیف ہے نزار ہے
رگڑ رہا ہے ایڑیاں
سسک رہا ہے، تڑپ رہا ہے
بڑھاپے کی لاعلاج آفت سے
اور سمجھتا ہے کہ اب
وہ بے ضرورت بوجھ ہے
اولاد کے ذہنوں پر
لیکن پھر بھی محتاج ہے
ان کے رحم وکرم کا
موت کی آمد تک

وہ مختصر کرنا چاہتا ہے
اس عذاب وہ موت کو
اسے زندہ رہنے کی خواہش بھی کیوں ہو
تم جو اُسے اب بوجھ سمجھتے ہو
زندگی نام ہے تشنگی کا
اس کی تشنگی کب کی
بجھ چکی ہے
اب عذاب و کرب میں مُبتلا ہے
تو پھر مصنوعی تنفس سے
اُسے لاش کی صورت میں
زندہ رکھنے کا کیا حق ہے کسی کو
یہ عتاب ہے بے شک
بے معنی زندگی کا
گر مرگ ناگہاں اس کی
آخری خواہش ہے
تو مرنے کا حق تو دیدو اس کو
موت کی آغوش میں
ابدی نیند سو جائے گا

بہت رُسوا اب ہو رہا ہے اپنے ہی گھر میں
جہاں اُس نے پیار برسایا ہے
وہ بے شک جیا ہے بہت ہی عزت سے
اُسے عزت سے مرنے دو
اپنی مرضی سے مرنے کا حق تو دیدو اس کو ؛



پت جھڑ کا پھول

خزاں کا موسم ہے
خزاں رسیدہ پتوں کی بارش ہے
ختم ہے پھولوں کی بہار
لیکن میرے باغ میں
صرف ایک پھول
واحد اور تنہا پھول
گلاب نہیں
گلاب کی یاد دلاتا ہے
نازک رنگ برنگ پنکھڑیوں سے
بھرپور ایک پھول
گول گول بڑا سا چہرہ لیکر
اپنے وجود کی بلندی پر
مسکرا رہا ہے
دیکھنے والے پوچھتے ہیں مجھ سے

کس موسم کا پالا ہے
پورے باغ میں تنہا ہے
میں چُپ ہوں کہ طویل
گوشہ نشینی کے بعد
آج ہی اس باغ میں آیا ہوں
سوچتا ہوں کہ شاید
مجھ سے کہنے آیا ہے
کہ تنہا رہ کر بھی مُرجھانا
میری فطرت میں نہیں

لمحۂ قیامت

تم ایک لمحہ رکیں اور نہ ایک پل ٹھہریں
بس اک نگاہِ سُبک
اور — بے رخی کی نظر
تم اس کے بعد رواں ہو گئیں
بادِ صرصر کی طرح
یہ ایک شوخ سا جلوہ تھا برسرِ راہے
کہ ناگہاں سماں تھا رُخ قیامت کا
قیامت آئی نظر
پہلے ہی قیامت سے
یہ کائنات سُکڑ آئی ایک نقطہ بنی

یہ میں نے دیکھا
کہ سارے پہاڑ ٹوٹ پڑے
ریزہ ریزہ ہو کے گرے
یہ میں نے دیکھا
کہ ہر سو میں آگ کے شعلے
لپک رہے ہیں
مٹانے کو میرا رنگِ وجود
جلانے کو میرا ہست و بود
زمیں دھنستی گئی واں
جہاں کھڑا تھا میں
بدن جھلتا رہا۔ میرا دم گھٹتا رہا
اندھیرا دن میں ہوا
یہ تیرے جانے کا انداز تھا نگارِ بہار
کہ گلستانِ جہاں میں خرام محشر تھا
پڑھا ہے روزِ قیامت کا ذکر دنیا نے
کئی صحیفوں میں ان گنت کتابوں میں
مگر جو دیکھا ہے میں نے خود اپنی آنکھوں سے

وہ "لمحۂ قیامت" تھا
کسی صحیفے میں شاید ہی اس کا ذکر ملے۔

سلطان

اُجالا

یہ رات

ہزار راتوں سے برتر والی

پاک اور مقدس رات

رحمتوں، برکتوں کی سنواری سعادت کی

یہ رات

ربِّ اکبر کے اک وعدہ عفو، عہد عنایت کی رات

دوزخ سے امن وامان کی رات

عظیم اور افضل

بُلند اور برتر

اس رات ترے گھر میں ایک پل بتانے کو آگیا ہوں

کہ شاید تیرا گھر

خلوص اور خلق و مُروت کی ہے خانقاہ
کہ شاید تیرا گھر
ہے اک آستانِ محبت
کہ میری دُعائے محبت کی تاثیر
مجھ کو ملی ہے یہاں
میرے محبوب — آ
رُوبرو، دُوبدو
ہم گزاریں یہ رات
کہ یہ رات
پاکیزگی میں ہزار راتوں کی ہم پلہ
عظیم اور افضل ہے اولیٰ ہے بہتر ہے
ترے ساتھ
میری مُلاقات کی یہ حسین رات
میرے مُقدر کا رنگین اُجالا
حیات ابد کی سحر کا حوالہ ہے



صِلہ

تمہارے ساتھ ملاقات
اتفاقِ حسین
تعلقات
میرے دل کا حادثہ ٹھہرے
میں کھو بیٹھا ہوں اپنا حافظہ
میں جیسے ہو گیا ماضی سے لاتعلق
الگ میں ہو گیا سب سے
فقط تمہارے سوا
نیا جنم لیا میں نے
تمام عمر کے بعد
نئے جنم میں تمہیں پانے کی خوشی، گویا
میری متاعِ حیات
تمہیں نہ کھو دوں —— یہ اندیشے

میرا درد و کرب، غموں کا سرمایہ
کبھی میں ہوتا ہوں مسرور
شادماں، شاداں
کبھی غموں سے بدحال
دکھوں سے آزردہ

جانِ حیات

میں تم سے پاکے مسرت
نگارِ حرفِ مسرت کا سمجھا ہوں خیر مقدم
میں تم سے پاکے غم و درد و کرب کا تحفہ
کتابِ دردِ محبت کا سمجھا ہوں مفہوم
صلہ یہی ہے وفا کا
یہی تمہاری محبت کی دین ہے شاید



لمسِ پاکیزہ

تیرے جام سے پی کر آج ایک گھونٹ
میں سرشار ہوا ہوں
کیونکہ تیرے لبوں سے لگنے والے جام کو
میرے ہونٹوں نے چوم لیا ہے
لمس کا یہ پاکیزہ احساس
مرے وجود و ذات کو کرتا ہے سیراب
مرے اُداس جذبات کو کرتا ہے شاداب

اور میرے مرنے کے بعد
رُوح میری تازہ ہی رہے گی تا ابَد
میرے مدفن میں پھول اُگیں گے اُلفت کے
سُرخ ـــــ تیرے آنچل کی طرح
مہکے مہکے ـــــ تیرے خیالوں کی مانند

دلکش ــــ تیری حسین آنکھوں کی طرح

کوئی گلچین توڑ نہ لے انجانے میں

میری قبر کے ان پھولوں کو ــــ

تیرے جام سے پی کر آج ایک گھونٹ

میں سرشار ہوا ہوں

تو واقف ہے



ہم آہنگی

کتنے محرومِ زباں جذبوں کی تصویریں
اُبھاریں میں نے
کتنی مایوس سحرآہوں کی تقدیریں
سنواریں میں نے
کتنے رنگین شبستانوں میں مہکی ہوئی راتیں
گُذاریں میں نے
کتنے ایوانوں پہ محلوں پہ، مکانوں پہ
کبھی نشانِ محبت
کبھی اندازِ حقارت سے
نظر ڈال کے مسرور رہا ہوں اب تک
کتنی بار اپنی اس کاوشِ معصوم پہ
مغرور رہا ہوں اب تک
کتنی راہوں کے خم و پیچ پہ لہرا کے چلا ہوں اب تک

کتنے موڑوں پہ رکا — اور چلا ہوں اب تک

کس سڑک ؟

کس کی گذر گاہ کا نام

کس کے تلووں کے نشان — ؟

ایک وہ موڑ —

جہاں میری بھرپور جوانی گذری —

ہر شام سہانی گذری

جستجو،

سعی و وفا،

مہر و محبت

تاریک —

ایسی تاریک سڑک جس کا کوئی نام نہ منزل کی خبر

ہاں مگر ایک وہ تاریک گلی

کہ جو اس گھر کی طرف جاتی ہے

مجھے لگتا ہے

جیسے برسوں کی ریاضت کا ثمر

جیسے برسوں کی عبادت کا صلہ۔

جیسے اس کوچے سے ملتی ہے مجھے راہِ بہشت
جس کی منزل پہ کوئی نورِ نظر آتا ہے
اِک سماں نور سے معمور نظر آتا ہے

رتِ اکبر کی عنایات سے
رحمت کے نزدیک میں ہوا جاتا ہوں
ایسی قربت ہے دِل و ذہن کی جنت جیسے
ہے خیالوں کی ہم آہنگی کرامت جیسے
جس سے دکھی ہوئی اِس دُنیا کے دوزخ میں بھی
ملتی ہے بہشت۔



میری عبادت

تمہارا حُسنِ تصوّر مری عبادت ہے
تمہاری یادِ فروزاں مری ریاضت ہے
تمہاری یاد میں آنسو بہیں ــــ گناہ دُھلیں
تمہارے درد میں آنکھیں جلیں ــــ چراغ بنیں
تمہاری فکر میں راتیں ڈھلیں ــــ ثواب بنیں

کہ تم سے رشتۂ جان ربطِ رُوح دائم ہے
بس اِک یقین، بس اِک اعتبار قائم ہے

تم اِس زمانے کی مریم
رواج و رسم کی مُنکر، خلوص کی ہمدم
مُہیب رسموں کے جنگل میں
اُچھلتی، چیختی پرچھائیوں کے حلقے میں
عقب سے دوڑتی رسوائیوں کے گھیرے میں

اچھوتی مریم ہو

خلوص آدم ہو

میں سربسجدہ ہوا ہو جاتا ہوں، یقین کرو

تمہارا حسن تصور میری عبادت ہے



کرب

کون تھا وہ........؟
وفا کے عنصر سے خالی خالی
وفا کے جذبہ سے عاری و محروم
وہ ایک انسان نہ تھا
حرفِ آدم تھا
شکلِ آدم
نہ سُن سکا تیرے قدموں کی نرم آہٹ کو
نہ گن سکا تیرے دِل کی جواں دھڑکن
ترا پیامِ نظر بھی سمجھ کہاں پایا؟
وہ تھامے ہاتھ ترا
کر سکا نہ یہ جرأت

وہ رسموں کا پیکر
رواجوں کا قیدی تھا
نہیں بڑھا سکا تیری جانب رفاقت کا ہاتھ
دبے پاؤں اٹھا ــــ چلا ــــ نکل گیا وہ
رواجوں، سماجوں کے جنگل میں
غائب ہوا ــــ وہ
شکار اس کو شاید مل گیا ہو
نشانہ کسی کو بنا کر
کسی پہ جھپٹ کر
سماجی بلندی بھی شاید ملی ہو
اُسے یاد کرنے سے حاصل بھی کیا ہے
جو احساس الفت سے محروم ہو
تیرے اشک ــ!
ہاں ہاں ترے اشک بہنے لگے ہیں مگر
یہ موتی لٹانے سے کیا فائدہ ؟
یہ آنسو بہانے سے کیا فائدہ ؟
تجھے جیا ہے کر تو

آگ برسائے اُن بستیوں پر

جہاں نرم شہنائیاں بج رہی ہیں

جواں، گرم جسموں کی سوداگری پر

خلش

تمہاری تلخ نوائی کا، تُند خوئی کا
یقین جانو نہ شکوہ نہ کچھ گِلہ ہے مجھے
قسم تمہاری مُعطر لطیف یادوں کی
میں جانتا ہوں کہ تم
بھری پری ہوئی دنیا میں آج تنہا ہو
میں جانتا ہوں
تمہاری راتوں کا کرب و الم
دِنوں کا عذاب
عیاں ہے مجھ پہ
تمہارے ذہن کا ہر اضطراب بے پایاں
تمہارے حُسنِ تخیل میں انتشار کی رو
حدِ نگاہ پہ مدقوق وقت کی زردی
لپکتے شعلے سبھی بندھنوں کی آتش سے

جلا کے بزمِ تصور کو راکھ کرتے ہیں
رواج و رسم کی
پابندیوں کے کالے ناگ
تمہارے سرمئی احساس کو بھی ڈستے ہیں

تمہاری تلخ نوائی کا اب گلہ بھی نہیں
تمہاری تلخ نوائی
تمہاری رُوح کی چیخ
جھنجھوڑتی ہے مجھے
مرے جہاں میں بے نام اضطراب سا ہے
مری حیات شبِ غم کا جھلتا خواب سا ہے
"اسی کو کہتے ہیں احساسِ مشترک شاید"
یہی ہے رشتۂ رفاقت کی اک جھلک شاید

اب آج — آج ابھی سے
مری رفاقت کا
سفر تمہاری طرف تیز، تیز تر ہو گا
کہ تم نہ منزلِ احساس میں رہو تنہا
اکیلے، سونے بھیانک مہیب رستے پر

مرے بغیر تمہارا سفر
تمہیں بتاؤ بھلا کس طرح ممکن ہے
یہ میں نے سوچا ہے
اے رُوحِ مَن ۔۔۔ میں ساتھ رہوں
کہ یہ سفر، یہ لڑائی یہ جنگ اور جہاد
بہت مقدس ہے
کوئی کہے نہ کہے اس کو "فی سبیل اللہ"
مگر میں اس کو کہوں گا جہادِ انسانی
یہ لازوال لڑائی، جہادِ لافانی
جہادِ انسانی
تمہارے نغمۂ احساس کا ترنم ہے
تمہارے نوحۂ ادراک کا تکلم ہے
تمہاری جنتِ وجدان کا تبسم ہے



مقتل

میرے من کی دُلہن
تیری مانگ میں مری اُلفت کا سیندور
جھلمل جھلمل کرتا ہے
تو بھی کرتی ہے محسوس
مگر ۔۔۔!
بے صوت و صدا تیرا احساس
بے حرف و زباں میرا اظہار
بے صوتی میں اس رشتے کا استحکام
لاحرفی میں ہے دوام
وگرنہ ہزاروں ہاتھ بڑھیں گے
لپکیں گے
تیری مانگ کا سیندور مٹانے کی خاطر

وہ ہاتھ بھی بڑھتے جائیں گے
جو پہلے ہمیشہ سمٹے تھے
شفقت اور مروت سے
جو مانگ میں سیندور
بھرنے کی قیمت کو چکاتے ہیں
تن کا سودا کرتے ہیں
دھن کی ترازو لیکر رشتے تولتے رہتے ہیں
تن کے طالب دھن کے پجاری
من کی سندرتا سے ناواقف
ہاتھ بڑھیں گے
تیری مانگ کا سیندور
چھڑانے کی خاطر
پھر ودھوا بنے گا تیرا من
دلہن بنے گا تیرا بدن
اور ــــ تن کے پجاری کے مقتل میں
بھینٹ چڑھے گا
من کا پجاری

ایک خط

مرے سوا تمہیں سمجھا ہے اِس طرح کس نے
بتاؤ کس نے تمہیں آیتِ فلک جانا
بتاؤ کس نے تمہیں سمجھا گیتا کا اشلوک
بتاؤ کس نے تمہیں پوجا جان کر مریم
حیا سے جھانکا ہے کس نے تمہارے سینے میں
بھُلا کے جسم کی خواہش، بدن کی ہر خیزش
وفا سے چوما ہے کس نے لبِ تخیّل کو
یہ سب یقین کرو تم، مرا جواب نہیں
یہ سب جواب ہے شاید تمہارے لفظوں کا
کہ جن سے
تم نے بنایا ہے اِس طرح کا سوال
کہ کیسے کی ہے مقدس کتاب کی توہین

میں ایسے پاک صحیفے کا کوئی مجرم ہوں
تم ہی بتاؤ
تمہاری طرف بڑھا کب ہے
یہ میرا دستِ طلب
تمہیں بتاؤ
چھوا ہے کبھی تمہیں میں نے؟
ثبوت بوالہوسی کا کبھی دیا میں نے؟
تمہارے دل میں کبھی شائبہ بھی آیا ہے
خیال و ذہن میں کوئی بھی لہر اٹھی ہے
کہ اپنی بھوک مٹانے کی مجھ کو حاجت ہے
اگر یہ سچ ہے
تو اے جانِ من سوالوں میں
ملائے ہیں کیوں وہ الفاظ
فگار جن سے ہوا ہے حیات کا رشتہ
وہ رشتہ
جس پہ کوئی داغ کوئی میل نہیں

تمہاری طرح

بے رُخی

بے رُخی زہرِ ہلاہل ہے
جسے میں نے پیا
انگ انگ زہر میں غرقاب ہوا
دِل کی حرکت بھی رُکی
میری نظریں جو اُٹھیں، جم گئیں اُس چہرے پر
بارہا
فرطِ محبت سے جسے چوما ہے
جو مری راتوں کی بے خوابی کا
اور دِن کی پریشانی، بے چینی کا باعث ہے
میرا محبوب
میرا ہمدم و ہمرازِ خیال
ہم نشین اور ہم آواز و خیال
آج ہے مہر بہ لب

سر بلند اور نظر نیچی ہے
بے رُخی کا پیکر
بے نیازی کی مجسم تصویر

دھیرے دھیرے مرے بے تاب سراپا میں
زہر تحلیل سے کئے جاتا ہے
سوچتا ہے مرا ششدر و ماؤف وجود
...... آخر کار یہی ہونا تھا

شاید یہی ہوتا ہے
کیونکہ میں نے
کبھی اتنا نہیں چاہا ہے
کسی کو پہلے۔



کیا کروں!

بات جب کی ہے
یہاں پر
بو نہ تھی بارود کی
معروف تھا میرا وطن
پیار کے عنواں سے
نور کے جھرنے رواں تھے دن یہاں
رات کاجل میں نہاتی
چاندنی کو اوڑھ کر
رُوح کو تسکین تھی
زندگی عشرت کدہ
عشق تھا محوِ ترنم
حُسن محوِ رقص تھا

جس طرف اُٹھتی نظر
مسکراتی تھی حیات
خاموشی میں تھی صدائے انبساط
گنگناتی تھی حیات

ناگہاں ایسا ہوا
ناپید سب کچھ ہو گیا
دوستی، فرزانگی
عاشقی، دیوانگی
دِل لگی کا ذائقہ
روشنی کا ولولہ

گُم ہوا
تیرگی نازل ہوئی
بجھ گئے لاکھوں چراغ

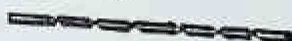
ساز بھی خاموش ہیں
گیت بھی روپوش ہیں
میں اکیلا کیا کروں؟

گمشدہ کشمیر کو — آواز دوں

یا

میں اپنے آپ کو آواز دوں

کیا کروں ؟



نیلام گھر

عشق و اُلفت کے فسانے تو سُنے تھے میں نے
اپنے افسانے کو عنوان کوئی دے نہ سکا
کوئی لیلیٰ تھی، زلیخا تھی، کوئی شیریں
آج بھی جن کی محبّت کا ہے چرچا ہر سو
اور مرا حال ہے یہ کہ تیرا نام
اپنی خاموش زباں پر بھی نہیں لا سکتا۔
کیوں کہ زباں بندی ہے
میرے اور تیرے لئے
چند ساعت کی مُلاقات پہ بھی پابندی ہے
اور اظہارِ خیالات پہ بھی قدغن ہے
رُوحِ من! جانِ وفا
ختم ہو کیسے جذبات پر پہرے کا چلن
ہم جو ٹھہرے ہیں شریف اور معزز شہری

ہمہ تن مہر بہ لب
ہم کو ورثے میں ملے ہیں یہی فرسودہ رواج
ہم نے اپنایا ہے یہی مدقوق سماج
جس میں رشتے نیلام ہوتے ہیں
اور رُوح انسانی تڑپتی ہے

یہ اندھی رسموں کی دُنیا ہے
رواجوں کا جنگل ہے
یہاں پگڈنڈی پر چلنا ہے

رسم ہے
جکڑا رہوں وقت کی زنجیروں میں
ریت ہے سر کو جھکائے رہوں شمشیروں میں
یہ روایت ہے
رہوں سینہ سپر تیروں میں
وقت کا حکم ہے
معصوم جوانی کو مسلتا دیکھوں
رسم کی آگ میں کسی دوشیزہ کو جلتا دیکھوں
پھر بھی خاموش رہوں
کیونکہ میں چپ کے بکتے ہوئے بازاروں میں

کب کا نیلام ہوا ہوں
اور اب تم انہی بازاروں میں
ہونے والی ہو، میری جان، نیلام

یہ تو نیلام گھر ہے
جہاں ہو جاتا ہے سب کا نیلام
کس طرح روکوں
کیسے تم کو ۔۔۔۔ میں کیسے بولوں
کس طرح اپنی زبان کھولوں
نام تیرا جو زبان پہ میری آ جائے گا
میں یہ ڈرتا ہوں
کہ نیلام کے وقت کہیں قیمت نہ تری گر جائے



یہ ہے زِندان

ا، ب اور ج

تجربہ یہ ہوا زِندان میں مجھے
پختہ ہوتا ہے عقیدے کا مزاج
فکر کے طرز میں آجاتا ہے اک استحکام
رُوح بیدار سی ہو جاتی ہے

زِندان میں
جسم کیا چیز ہے
میں جسم کی بات نہیں کرتا ہوں

یہ ہے زِندان

(الف)

یہ ہے زِندان
ہر طرف اُونچی فصیلیں
دیو قامت اِک حِصار
ہے سمیٹے جس کی آغوشِ کثیف
فصیل اندر فصیل
حِصار اندر حِصار
بارکوں کی لمبی افسردہ قطار
جِن کے دروازے دریچے
آہنی سیخوں کے بھاری بوجھ میں جکڑے ہوئے
دُور ایک کونے میں تکتا
تختۂ دار و رسن
جیسے سُناتا ہے کہانی موت کی
نیلی پیلی وردیوں کی پُر شکن پوشاک میں

افسردہ، حزیں، مایوس، پُر غم بھرے میں
پہریداروں کی صدائیں
گونجتی، لہراتی، تھراتی ہوئیں

یہ ہے زِندان
اصلی، نقلی مجرموں اور ملزموں کا
ایک سرکاری وطن
اور معتوب اہلِ فراست اہلِ ہمت کا
مکان انتقام

یہ ہے زِندان
عدل اور قانون کے دست علمداری کی
خونی قتل گاہ
تجربہ گاہِ عقوبت
امتحان گاہِ عزیمت
مسکن اربابِ ہمت
مرقدِ انسانیت

یہ ہے زِندان
اِک کتابِ مکر و سازش ، صاحبانِ کبر کی
اقتدارِ عصر کی
جس کے اِک اِک صفحۂ تاریک پر
جُرم و سزا کی حقیقی تشریح اور تفسیر
کچھ ایسی لکھی ہے
جو کہیں پر اور
پڑھنے کو مجھے ملتی نہیں

یہ ہے زِندان
کتنے ہی معصوم لوگوں کو یہاں
پہنائی جاتی ہے
گُناہوں اور الزاموں کی پوشاک کثیف
جبکہ اکثر
اصلی مُجرم دندناتے پھرتے ہیں
حدِ زِندان سے پرے
کیونکہ یہ حساب ہے

پولیس کھاتوں کی پھرتی کا کمال
جھوٹی تحریروں کا اک پُرپیچ جال
عدل کا دامن ہے جن سے تار تار
ایک خفیہ انکشاف

ہو رہے ہے زندان میں
آہ! کتنے گھر، مسکن زندان کی آبادی سے
تاراج ہیں برباد ہیں

کون سُنتا ہے، سمجھتا ہے یہاں
کیونکہ اربابِ سیاست کو بھلا فرصت کہاں

عدل اور انصاف کے سرتاج ہیں
حالات کی پیچیدگی سے بے خبر اور بے نیاز
اور ہے قانون کے لائق وکیلوں کا یہ حال
اُن کو ہے ایسی اسامی کی تلاش
منصفی کے نام پر پامالیٔ قانون کی
کر سکیں منہ مانگی قیمت جو ادا

آہ! کیسا بے بصر قانون ہے
گر نہ ہوتی موشگافی، نکتہ رانی ہیں یہ وسعت
یہ حدِ زندان سُکڑ جاتی
ہمیشہ کے لئے ـــــــ



یہ ہے زِندان

(ب)

یہ ہے زِندان
زِندان کی قسم
تجربہ گاہِ وفا، ضبط و سکوں
تابِ برداشت کا پیمانۂ تلخ
مقتلِ خواہشِ دل، کاہشِ جاں
عزم و کردار کی معیاری کسوٹی ہے یہ
امتحان ہوتا ہے اِس جگہ پہ دِلداروں کا
بے گنہ اور گنہگاروں کا
تیاگ سے پہلے سبھی
تیاگ کے حالات یہاں مِلتے ہیں
یہ ہے زِنداں

زنِندوں کی جگہ

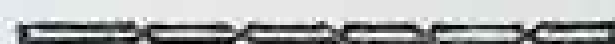
جسم تو قید یہاں ہو سکتا ہے
فکر اور سوچ تو محبوس نہیں ہو سکتی
اس کو جکڑا بھی تو جا سکتا نہیں

نظریہ

کبھی پابند سلاسل نہیں ہو سکتا
سبز و زرخیز تخیل کو
فصیلوں کی بلندی سے گرا کر
کسی گہرائی میں ڈبویا نہیں جا سکتا
جلوہ گر تازہ خیالات کبھی
بارکوں اور سلاخوں کی روایات میں
پابند نہیں ہو سکتے

تجربہ یہ ہوا زنداں میں مجھے
پختہ ہوتا ہے عقیدے کا مزاج
ہوتا جاتا ہے نظریہ مضبوط
فکر کے طرز میں آجاتا ہے اِک استحکام
سوچ میں وسعتِ آفاق سمٹ آتی ہے

روح بیدار سی ہو جاتی ہے
زندان میں
جسم کیا چیز ہے، میں
جسم کی بات نہیں کرتا ہوں



یہ ہے زنداں

ج

جیل کی ان بلند و بالا
آسمان کو چھوتی فصیلوں میں محصور
اپنے دلدار سے دُور
بارک نمبر نو میں اسیر
آہنی اور مضبوط سلاخوں کے پیچھے سے
جھانکتا رہتا ہوں
جیل کی ان بلند و بالا فصیلوں پر اکثر
تمہاری سوگوار صورت کو
دیکھتا رہتا ہوں
پھر جب
بارک کے باہر آجاتا ہوں

تو لگتا ہے
تم بھی چلتی ہو میرے ساتھ ساتھ
تختۂ دار کے مانوس اُس کونے میں
جہاں مری ہر صبح و شام
اُبھرتی اور ڈھل جاتی ہے
تم گھنٹوں مجھ سے سرگوشی کرتی رہتی ہو
میں چند لمحوں کے لئے
بھولی بسری ملاقاتوں کی یادیں تازہ کر لیتا ہوں
تختۂ دار کے سائے میں
آرزوئے دیدار کی آخری خواہش میں
پھانسی کے ایستادہ ستون
پل پل مجھ کو تکتے رہتے ہیں
گو پھانسی نہیں میری سزا
گو دار نہیں میری تعزیر

پھر بھی تمہاری دید کی حسرت میں
تڑپ رہا ہوں
ہر پل، ہر لمحہ، ہر سانس
پھانسی پر لٹکے ہوئے
ایک مجرم کی طرح

نوٹ :—

۱۹۸۶ء میں جناب مظہرامام کے لکھے گئے پیش لفظ کے بعد جو نئی نظمیں اس کتاب میں شامل کی گئیں ہیں :—

• میری کتاب • حادثہ • جنت اور جہنم • مرنے کا حق • فقط انسان
• پیشگی ضمانت • اپنی ذات سے ایک سوال • کیا کروں • ایک غیر مطبوعہ خبر
• رُوح اور لہو • بلا اِشتباہ • بوالہوسی • دُعا • پت جھڑ کا پھول
• قانون۔

کتاب ان جگھوں پر دستیاب رہے گی

مکتبہ علم و ادب

سٹی ویو بلڈنگ، ریڈ کراس روڈ سرینگر

کتاب گھر

مولانا آزاد روڈ سرینگر

عبداللہ نیوز ایجنسی

بڈشاہ چوک سرینگر

ریاض نیوز ایجنسی

کدل بل پانپور

بڈشاہ نیوز ایجنسی

آفتاب مارکیٹ، لالچوک سرینگر

گپکاری نیوز ایجنسی

متصل بسکو اسکول، لالچوک سرینگر

سکندر نیوز ایجنسی

امیرا کدل سرینگر

گلزار نیوز ایجنسی

صورہ سرینگر

خان نیوز ایجنسی

ریگل چوک سرینگر

شاہ نیوز ایجنسی

کپواڑہ

جے کے بک ہاؤس

ریذیڈنسی روڈ جموں



TAHIR MUZTER is a well known journalist of Jammu and Kashmir. Journalism has been his first love. He had been the editor of Urdu news papers like AAHANG, SALSABEEL and POLITICAL TIMES published from Kashmir. All the papers that he published established their unique identity. He had also been the first editor of the daily CHINAR and NAWA-E-SUBAH.

In his journalistic career, there came a time when Tahir Muzter was asked by Dr. Farooq Abdullah to work as his Political Secretary. He continued with the assignment for two tenures of Dr. Farooq Abdullah as Chief Minister of Jammu and Kashmir till 1990. After that Tahir Muzter remained associated with the electronic media. There also he proved his capability and innovative skills as he had done in print media.

NEELAM GHAR is the first collection of his Urdu poems. These poetic compositions are both introspective as well as carry his message of love and peace to the humanity at large.

TAHIR MUZTER considers the management of this expansive universe spread over the lands and oceans as an eternal lesson free from all discrimination, reservation and selection. He wants to popularise this eternal lesson of the CREATOR of universe among human societies that are rent into segments and compartments of their own creation. He wants to provide short-sighted groupism the space of this eternal concept so that the strife waged in the name of self-styled superiorities is brought to an end, in which human beings of contemporary times are groaning and the humanism is getting trampled under foot.

A **Media Kashmir** Publication

Sole Distributor :



ALFA ASSOCIATES®

IInd Floor, Matto Complex,
Red Cross Road,
Budshah Chowk, Srinagar,